ہفت روزہ

ذوالفقار

گھوٹکی

آئندہ پندرہ دن بہت اہم ہیں

بچوں نے بھٹو کی سالگرہ دھوم دھام سے منائی

قیمت ۵/ روپے

...ار گھوٹکی سے شائع کیا

قارئین لکھتے ہیں

ظہورِ الٰہی کا ظہور

۳ جنوری ۷۹ء چوہدری ظہور الٰہی کی بچی کی شادی کا دن ہے تقریباً سات آٹھ ہزار افراد کی شرکت ہے مرغ گوشت روغنی نان، بریانی، سویٹ ڈش، حلوہ پوڑی، نہ جانے کیا کیا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ساٹھ من مرغ اور ساٹھ ہی من بکرے کا گوشت اڑایا گیا ہے حیرت ہے کہ یہ سب کچھ پانچ ہزار روپے میں کیسے ہو گیا ہے بات تو قانون کی ہے اور پھر قانون بنانے والے صدر صاحب خود دعوت میں شریک ہیں وفاقی اور صوبائی افسر خاموش تماشائی ہیں۔

پولیس کا کردار چھوڑیے اگر غلط اطلاع بھی ہوتی کہ شادی پر ۵ ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں تو وہ کھانا ہی اٹھا کے لے جاتی بدولہا اور باراتی اندر ہوتے لیکن یہاں ایسا کیوں ہونے لگا کیونکہ ایک وزیر کی لڑکی کی شادی ہے پولیس اور ضلعی انتظامیہ ان کے خلاف کیوں ایکشن لے ایمانداری کی باتیں کرنے والا ڈپٹی کمشنر مرغا بنا ہوا ہے کیا صدر مملکت ظہور الٰہی کے خلاف مقدمہ درج کروانے کا حکم دیں گے؟

محمد ارشد بٹ مسلم آباد گجرات

قومی اتحاد کے حکما سے

آداب۔ آج ہمارا ملک جس غیر یقینی کیفیت کا شکار ہے اس کی تمام تر ذمہ داری نام نہاد قومی اتحاد کے ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے حصولِ اقتدار کی خاطر ایک منتخب حکومت کو تشدد اور تخریب کاری کے ذریعے اقتدار سے محروم کیا اور مارشل لاء کی سرپرستی میں خود چور دروازے سے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کیا نظام مصطفٰیؐ کا جعلی نعرہ لگانے والے اور ۲۴ گھنٹوں میں نظام محمدیؐ نافذ کرنے والے اب اس کو رفتہ رفتہ نافذ کرنے کی باتیں کر رہے ہیں تاکہ ناجائز طور پر حاصل شدہ اقتدار کو طول دیا جا سکے

عوام سب کچھ سمجھتے ہیں حال ہی میں ٹی وی پر ظلم کی داستان "تانی" جیسے پروگرام شروع کر کے ملک کے محافظوں نے اپنی جانبداری کا ایک اور ثبوت بھی دے دیا ہے اور یہ ایک بڑی غلط روایت ڈالی جا رہی ہے اب جو ظلم کا تاریک دور جاری ہے اس کے بارے میں بھی کبھی ہمارے ملک کے پاسبانوں نے سوچا ہے! "واہ واہ کیا سنہری اسلامی دور ہے" معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک سی سی کا انجکشن ہے لیکن عوام ان انجکشنوں سے امیون ہو چکے ہیں غالباً اس قسم کے ہتھکنڈے اب کارگر نہ ہوں گے کیونکہ عوام کا سیاسی شعور گزشتہ دس سالوں میں انتہائی ترقی کر چکا ہے اگر حکمرانوں نے زیادہ پاور انجکشن لگانے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے مریض کی جان چلی جائے لہٰذا قوم کے حکمرانوں سے عرض ہے کہ براہ مہربانی اس قوم پر مہربانی کریں اور جلد از جلد ملک میں انتخابات کرائے جائیں یہی ایک علاج ہے جو قوم کو قابل قبول ہو گا والسلام - ایم ٹی بھٹی۔

شیعہ دینیات سے انحراف کیوں؟

شیعہ قوم کا یہ مطالبہ کہ سنی بچوں کو انکی دینیات پڑھائی جائے اور شیعہ بچوں کو انکی دینیات الگ پڑھائی جائے فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم کی حکومت نے نومبر ۱۹۶۸ء میں بذریعہ نوٹیفکیشن تسلیم کر لیا تھا مگر اس کے نفاذ میں ٹال مٹول ہوتی رہی تو اگست ۱۹۷۳ء میں پوری شیعہ قوم نے راولپنڈی میں صدر کی رہائش گاہ کا تین دن اور دو رات گھیراؤ کیا آخرکار بھٹو حکومت مجبور ہوئی اور جداگانہ شیعہ دینیات کا تحریری طور پر وعدہ کیا گیا مگر دو سال تک ٹال مٹول کا پرانا حربہ پھر آزمایا گیا اور ایک مرتبہ پھر پوری شیعہ قوم نے صدائے احتجاج بلند کی جس کے نتیجہ میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۴ء جناب رفیع رضا اور جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کے ساتھ لاہور میں ایک میٹنگ ہوئی اور آج کل جو نصاب رائج ہے اس کی باہمی رضامندی تحریری طور پر ہوئی مگر موجودہ حکومت نے جماعت اسلامی کی ایما پر طے شدہ مسئلہ میں مداخلت کی اور پھر مشترکہ دینیات کا شوشہ چھوڑا جس کا مقصد پوری شیعہ قوم کے خلاف مذموم سازش کرنا ہے ان حالات نے پوری قوم کو ایک دفعہ پھر مجبور کیا کہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور آئندہ کا لائحہ عمل طے کریں چنانچہ رمضان کے آخری ہفتہ میں ۲۴ سرکردہ انجمنوں کے صدور جنرل سیکریٹری علماء اور دانشوروں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں آل پاکستان شیعہ دینیات ایکشن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور اتفاق رائے سے محمد حسین دھنجی کو اس کا کنوینر منتخب کیا گیا اس کمیٹی کے سامنے مندرجہ ذیل فوری مسائل تھے۔

(۱) اسکولوں کالجوں، یونیورسٹیوں کی ہر سطح پر جداگانہ شیعہ دینیات کا نفاذ اور دینی تعلیم کے لئے شیعہ اساتذہ کا تقرر اور شیعہ دینیات کے جداگانہ تعلیمی بورڈ کا قیام (۲) شیعہ اوقاف کے لئے جداگانہ بورڈ کا قیام (۳) عزاداری پر سے ناروا پابندیوں کا خاتمہ (۴) ریڈیو اور ٹیلیویژن سے شیعہ اذان کا اجراء (۵) شیعہ قوم کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنا۔ پانچ مندرجہ بالا نکات پر آل پاکستان شیعہ دینیات ایکشن کمیٹی نے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن اور پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن سے اذان نشر کرنے کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا گیا مگر وہاں سے ٹکا سا جواب ملا کہ یہ ناممکن ہے چنانچہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر اذان کے لئے قیمتاً وقت مانگا گیا اس پر بھی انکار ہوا حالانکہ ایک سال کی بکنگ کے لئے بلینک چیک دیا گیا تھا مگر افسوس کہ اشتہارات اور فلمی نشریات کے لئے تو قیمتاً وقت مل سکتا ہے مگر علی ولی اللہ کہنے کے لئے اسلامی ریاست میں ہم اس حق سے بھی محروم ہیں حالانکہ یہ ہمارا آئینی اور بنیادی حق ہے۔

آل پاکستان شیعہ دینیات ایکشن کمیٹی ایک مرتبہ پھر اس بات کا عہد کرتی ہے کہ جب تک ہمارے مطالبات پورے نہیں ہوتے ہماری جدوجہد جاری رہے گی اور ہم ہر ظلم کا مقابلہ یا علی کہہ کر کرتے رہیں گے

شاہد رضا رضوی سیکریٹری اطلاعات
آل پاکستان شیعہ دینیات ایکشن کمیٹی
سنٹرل جیل۔ کراچی

اس اسٹیشن ماسٹر کی بھی خبر لیجیے

مورخہ ۸ جنوری ۱۹۷۹ء کو میں ریلوے کی ریل کار نمبر آر سی ۱۲۷ میں راولپنڈی سے اٹک بمع اہل و عیال سفر کر رہا تھا ریل کار حسن ابدال کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو ریلوے کا ایک بے وردی ملازم نہایت بے رخی اور بدتمیزی کے لہجے میں مجھ سے کہنے لگا کہ آپ دوسرے ڈبے میں چلے جائیں میں نے اس سے کہا کہ آپ وردی میں نہیں ہیں لہٰذا وہ اسٹیشن ماسٹر حسن ابدال (جس کا نام ملک حیات معلوم ہوا ہے) کو ساتھ لے کر آیا اسٹیشن ماسٹر نہایت بدتمیزی اور تلخی کے لہجے میں مجھ سے کہنے لگا۔ کہ آپ ساتھ والے ڈبے میں چلے جائیں یہ عورتوں کے لئے ہے اس ڈبے میں عورتیں اور مرد اکھٹے بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی طرح میں بھی اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ ریلکار کے اس ڈبے پر کہیں بھی مستورات کے لئے نہیں لکھا ہوا تھا جبکہ اسٹیشن ماسٹر بھی مکمل وردی میں نہیں تھا اس نے صرف ریلوے کا کوٹ جس پر اسٹیشن ماسٹر کا بیج لگا ہوا تھا پہنا ہوا تھا اس نے میرے ساتھ نہ صرف تلخ کلامی کی بلکہ خواتین کی موجودگی میں نہایت گندی زبان استعمال کی جس پر میں نے اس سے صرف یہ کہا کہ یہ گارڈ انچارج کا کام ہے کہ وہ کسی مسافر کے ساتھ بات چیت کرے اور گاڑی کے اندر کے مسائل اور مسافروں کی پریشانی اور تکلیف دور کرے اسٹیشن ماسٹر کا کام صرف اسٹیشن کے مسائل پر توجہ دینا ہے اسی اثناء میں گاڑی کا گارڈ انچارج موقعہ پر پہنچ گیا اور معاملہ رفع دفع کروا دیا بعد میں گارڈ انچارج نے مجھے بتایا کہ اسٹیشن ماسٹر حسن ابدال ملک حیات اکثر و بیشتر مسافروں کے ساتھ اس قسم کی بدتمیزی کرتا رہتا ہے جس کا ازالہ ضروری ہے۔

اس کی توجہ میں ریلوے وفاقی وزیر چیئرمین ریلوے بورڈ گلزار احمد صاحب اور راولپنڈی کے ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور ریلوے اعلیٰ حکام سے پرزور درخواست کرتا ہوں کہ حسن ابدال کے اسٹیشن ماسٹر کو براہ کرم یہ تحریری حکم صادر کریں کہ وہ مسافروں کے ساتھ اچھا سلوک برتے اور اخلاق سے پیش آئے اور وہی کام کرے جو کہ اس کے فرائض میں شامل ہو اس سے ریلوے کی سخت بدنامی ہوتی ہے میرا خیال ہے کہ ریلوے کے لیے باعث شرم ہے کہ ایسے افسروں کا سدباب نہیں کیا جاتا

ایم این ملک چکلالہ راولپنڈی

دفتر رابطہ

الفتح

مطبوعات

ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی

چیف ایڈیٹر: سید اظہر گیلانی

۶۹- ڈی' ۵ - زمزمہ کمرشل ایریا، پی - ای - سی - ایچ - ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

۱۹ جنوری
سنہ ۱۹۷۹ء

شمارہ
۶۸۳

قیمت
۵/ روپے

خاص مضامین

۱:	مسٹر غفور احمد کے دو رائے معیار	نصرت بھٹو	۵
۲:	اجرت بورڈ یا عسرت بورڈ	احفاظ الرحمٰن	۶
۳:	چار بڑوں کا اجلاس	شبیہہ الحسن	۷
۴:	اسلام آباد کی ڈائری	ذوالفقار حیدری	۹
۵:	آئندہ پندرہ دن	غنیوں کی ڈائری	۱۰
۶:	جسٹس کیانی کی تقریر		۱۵

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خان خٹک
بلوچستان ○ مقیم کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ محمد علی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈو الہ یار ○ کامل ستوں
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وھاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

نمائندے بیرون ملک

پیکنگ ○ ارشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

پبلشر، پرنٹر: اے اے گیلانی نے سید پرنٹنگ پریس گھوٹکی سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی سے شائع کیا

تاریخ کا اٹل فیصلہ

آج کے اخبارات میں جماعت اسلامی کا جاری کردہ ایک پریس ریلیز شائع ہوا ہے۔ جو جماعت اسلامی کے سربراہ میاں طفیل محمد کے بیان پر مشتمل ہے جس میں انہوں نے مارشل لائی وزیر قانون مسٹر اے۔ کے بروہی کی لاء کالج کنونشن کی تقریر پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ مسٹر بروہی نے اس تقریر میں اخباری اطلاع کے مطابق یہ کہا تھا کہ اسلامی نظام کے نام پر ۱۲ ربیع الاول کو جو اقدامات کئے جانے والے ہیں وہ سب عارضی ہیں اور حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ان کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ ہم نے تو اس سے یہ سمجھا تھا کہ مسٹر بروہی موجودہ حکومت کے دورِ اقتدار کو طول دینے کے لئے ایک ضرورت کا اظہار کر رہے ہیں اور بعد میں اسے نظریۂ ضرورت کے تحت ایک وقیع جواز ثابت کریں گے۔ لیکن میاں صاحب اس تقریر سے ہی اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس کرنے لگے ہیں اور کچھ ایسے بدحواس ہوتے ہیں کہ خود اپنے دلائل کے غیر حقیقی ہونے کا احساس نہ کر سکے۔

مثلاً میاں صاحب فرماتے ہیں کہ "فطری طور پر تو ملک کے دستور سمیت ملک کے ہر قانون میں ملک کا قانون ساز ادارہ ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات رکھتا ہے لیکن عملی دنیا میں یہ صورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کہ کوئی قانون غلط یا ملک و ملت کے خلاف ہو۔" اگر میاں صاحب خود اپنے ملک کی ۳۰ سالہ تاریخ سے ناواقف ہیں تو ان کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہمارے ہاں سازشوں اور طاقت کے ذریعے نہ صرف قانون بلکہ ملک کے آئین منسوخ اور معطل کئے جاتے رہے ہیں اور اس کے لئے یہ شرط کبھی نہیں رکھی گئی کہ وہ غلط یا ملک و ملت کے خلاف ہوں اور دستور ساز اداروں کو ناکارہ کھلونوں کے برابر بھی اہمیت نہیں دی گئی اور انہیں بار بار توڑا جاتا رہا ہے اور یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ میاں صاحب اور ان کے رفقاء اور ان کی جیسی سوچ رکھنے والوں نے نہ صرف ان اقدامات کی تائید و حمایت کی بلکہ جب بھی موقعہ ملا اس سے حسبِ مقدور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ یحییٰ خان کے دور میں مشرقی پاکستان کی وزارت میں اور موجودہ دور میں مارشل لاء کابینہ میں شمولیت کا حوالہ ہی کافی ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب اپنے طرزِ فکر کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان کے حساب سے جو اسلامی نظام ہے وہ انہیں کسی بھی طرح میسر آتے قبول ہے۔ اب جہاں تک ان کے اسلامی نظام کا تعلق ہے تو مسلمانوں کی اکثریت اسے تسلیم نہیں کرتی۔ ان کا اسلامی نظام کا نمونہ تو نجدی وہابیت ہے جو ملوکیت کو اسلام کا جُز بناتے ہوتے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں صاحب کے یہ سُن کر ہی ہوش اُڑ جاتے ہیں کہ جب بھی وقت اور موقعہ آیا عوام کے منتخب نمائندے اپنے عقائد ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں کے تحت غیر ضروری قوانین کو منسوخ اور ضروری قوانین مرتب کریں گے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ پاکستان اسلام کے لئے وجود میں آیا تھا تو کم از کم میاں صاحب اور ان کی جماعت کو اس ضمن میں زبان کھولنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اسے درست مان لیا جائے تو پھر قیامِ پاکستان کی مخالفت کا مقصد اسلام کی مخالفت قرار پائے گا۔ اور میاں صاحب اپنی جماعت سمیت اسلام کے مخالفین کے زمرے میں داخل قرار پائیں گے۔

بات دراصل یہ ہے کہ میاں صاحب ہوں یا مسٹر بروہی، اپنے ماضی کے تجربات کی بنا پر یہ جانتے ہیں کہ انہیں پاکستانی عوام کی اکثریت کی حمایت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی اور غیر جمہوری طریقوں سے آج وہ جن مناصب اور اختیارات پر قابض ہیں اس کو طول دے کر اپنے حق میں فضا ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ شکست اور پسپائی رجعت پسندی کا مقدر ہے۔ یہ تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے ■

مسٹر غفور احمد کے "پیداوار یت" اور "منافع بخشی" کے نرالے معیار

بیگم نصرت بھٹو

سرکاری شعبہ

پاکستان کی عوامی حکومت کی قائم کردہ، ٹھٹہ کی شوگر ملز کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے (۲ جنوری ۱۹۷۹ء) جنرل سوار خان نے کہا "حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمام صنعتی یونٹ جو سرکاری شعبے میں قائم کئے گئے ہیں مناسب وقت پر نجی شعبے کے ہاتھ فروخت کر دیئے جائیں"۔

جب ایوب خان نے اسی طرح کے اقدامات کئے تھے تو ان کے نتیجے میں سرکاری شعبہ جو ابتدائی مراحل میں تھا مفلوج اور برباد ہو گیا اور اس کے نتائج تباہ کن نکلے۔ انہوں نے پی آئی ڈی سی (سرکاری شعبے) کے اداروں کو بڑے سرمائے کے ہاتھ "فروخت" کر کے، ان اداروں سے "سرمایہ نکالنا" شروع کیا۔

ان میں سب سے زیادہ شہرہ آفاق، کرنافلی، چٹا گانگ مشرقی پاکستان میں واقع ملک کے واحد کاغذ سازی کے کارخانے کی مسٹر احمد داؤد کے ہاتھ "فروخت" تھی۔ یہ ایک بہت بڑا پروجیکٹ تھا۔ ایک اجارہ دار صنعت تھی۔ صرف اسی ایک وجہ کی بناء پر اسے ریاست کے زیر انتظام رہنا چاہیئے تھے اس کی تعمیر ریاست کے وسائل سے عوام کی کمائی کے ذریعے کی گئی تھی۔

مسٹر داؤد نے بنک جس میں ریاست اور عوام کا روپیہ لگا تھا سے "قرض" لیا اور سرکاری ملکیت خریدلی چونکہ یہ ایک اجارہ دار صنعت تھی اور کاغذ بناتی تھی۔ انہوں نے کاغذ کی قیمت میں اضافہ کیا جس کا نقصان ان صارفین کو برداشت کرنا پڑا جنہوں نے انہیں یہ کاغذ کا کارخانہ خریدنے کے لئے "قرض" دیا تھا۔ اور قیمتیں بڑھا کر یہ "قرض" ایک سال یا اس سے بھی کم عرصے میں ادا کر دیا گیا۔ کیا عوام کو فریب دینے اور لوٹنے کا اس سے بڑا کوئی اور طریقہ ہو سکتا ہے؟ یہ استحصال کا ایک مکمل نمونہ ہے۔

دوسرے صنعتکاروں نے، صدر مملکت کے صاحبزادے مسٹر گوہر ایوب سمیت، پی آئی ڈی سی (سرکاری شعبے) کو خریدنے کے لئے یہی طریقے اختیار کئے لیکن یہ ۱۹ سال پرانی بات ہے۔

ایسے وقت میں جبکہ سرکاری شعبہ کافی وسیع ہو چکا ہے اور لوگوں میں بیداری آ گئی ہے۔ گھڑی کی سوئیوں کو اپنی طرف گھمانا نہ صرف استحصال کی انتہا ہو گی بلکہ دھماکے کا آغاز بھی ہو گا۔

نوڈیرو شوگر ملز

موجودہ حکومت کے وزیر پیداوار مسٹر غفور احمد نے نوڈیرو شوگر ملز محل وقوع کو تبدیل کرنے کا ذکر کیا ہے اگر ایسا ہو جائے تو یہ نہ صرف پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ہو گا بلکہ اس سے ایک خوفناک روایت بھی قائم ہو گی۔

پاکستان میں شوگر ملز کے محل وقوع کو ۳ شرائط پر پورا اترنا چاہیئے۔

۱: ترجیحی طور پر اسے اس علاقے میں نہیں ہونا چاہیئے جو کپاس کا علاقہ ہو اور کپاس سے مسابقت ہو جو کہ غیر ملکی زر مبادلہ کمانے اور ٹیکسٹائل کی صنعت کے لئے، بنیادی پیداوار ہے۔

۲: نسبتاً اچھے اور مناسب ذرائع مواصلات سے وہاں تک پہنچا جا سکے۔

۳: وہاں گنے کی کاشت کے لئے وافر نہری پانی کی فراہمی ہو۔

نوڈیرو شوگر ملز کپاس پیدا کرنے والے علاقے میں واقع نہیں ہے جو کپاس سے مقابلہ کرے یا کپاس کے لئے نقصان کا باعث ہو۔ یہاں تک لاڑکانہ ضلع کے باقی علاقوں اور سکھر، دادو، جیکب آباد اضلاع سے بذریعہ سڑک پہنچا جا سکتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس سے ایک میل سے بھی کم فاصلے پر شاہ نواز بھٹو ریلوے اسٹیشن واقع ہے۔ آخری بات یہ کہ یہاں ایک چھوڑ دو نہروں؛ دادو کینال اور وارہ کینال سے آب رسانی کا انتظام ہے۔ درحقیقت یہ شوگر ملز کے لئے ایک انتہائی موزوں محل وقوع ہے۔ ایک قانون کہ گنے کی کاشت کے لئے ایک مقررہ میل کا علاقہ ہو جو کہ شوگر ملز کے لئے دوسرے علاقوں میں موجود ہے اسے انتہائی پیداوار آور بنا دے گا۔

اس کی بجائے موجودہ حکومت اس شوگر ملز کو ختم کرنا چاہتی ہے اور دعویٰ کرتی ہے کہ یہ غیر پیداواری ہے۔ شاید موجودہ حکومت اسے جان بوجھ کر غیر پیداواری بنانا چاہتی ہے تاکہ اسے ختم کر سکے اور اسی وجہ سے اس نے گنے کے علاقے کا قانون پاس نہیں کیا ہے۔ اگر گنے کے دوسرے تمام علاقوں سے گنے کے علاقے کا قانون اٹھا لیا جائے تو ملک کے تقریباً تمام کے تمام شوگر ملز "غیر پیداواری" یا "غیر منافع بخش" بن جائیں گے کیونکہ ایسی صورت میں کاشتکار اپنی پسند

باقی صفحہ ۵۰ پر

اخباری کارکنوں کا

اجرت بورڈ یا عسرت بورڈ

غیر منتخب حکومت نے غیر نمائندہ پالک نامزد کر دیئے

ہمت ہے تو ریفرنڈم کرالو، قلعی کھل جائے گی

جس ملک میں ارباب حل وعقد "نمائندہ" اور "نمائندگی" کے الفاظ کے صحیح مفہوم سے ناآشنا ہوں، اس کے بارے میں ایک ہی بات انتہائی وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ ہمیشہ بحران آشنا رہے گا۔ ویسے تو ہمارے ملک میں بہت سے عام فہم اور مستند الفاظ اور اصطلاحوں کے معنی بدل دیئے گئے ہیں یا ضبط کر دیئے گئے ہیں، مثلاً جمہوریت، اسلام اور سوشلزم کی اصطلاحوں کا جو حشر ہمارے دیس میں ان اصطلاحوں کے علمبرداروں نے کیا ہے وہ اب کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں جو مسٹر بھٹو کے خلاف چلی تھی یا چلائی گئی تھی اُس کے بارے میں تو یہی کہا جاتا ہے کہ اُس کا بنیادی متحرک عوام کے صحیح نمائندوں کا نہ منتخب ہونا ہی تھا، انتخابات میں دھاندلی کا الزام تھا، اور نتیجہ یہ اخذ کیا گیا تھا کہ چونکہ عوام اپنے صحیح نمائندوں کو منتخب نہیں کر سکے لہذا دوبارہ انتخاب کرائے جائیں۔ اب وہی لوگ جو انتخابات اور صحیح نمائندوں کی رٹ لگایا کرتے تھے بغیر انتخاب کے کرسی اقتدار پر براجمان ہو گئے اور خود کو عوام کا نمائندہ تصور کرنے لگے۔ اب وہ من مانی نامزدگیوں ہی کو صحیح نمائندگی کا درجہ دیتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ایسا کرتے ہوئے ایک لحظہ کے لئے شرماتے بھی نہیں۔

"نمائندگی" کے اس نام نہاد تصور کا تازہ ترین ثبوت اخباری کارکنوں کے تیسرے اُجرت بورڈ میں اخباری کارکنوں کے نمائندوں کا اعلان ہے جو ہماری غیر منتخب حکومت نے کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

اعفاظ الرحمان
جنرل سیکرٹری، کراچی یونین آف جرنلسٹس

کہ چار کے ٹولے کے افراد کو جنہیں اخباری کارکنوں کی برادری مسترد کر چکی ہے، موجودہ حکومت اور اس کی وزارت اطلاعات اور وزارتِ محنت نے جس طرح اجرت بورڈ میں نامزد کر دیا ہے اس کا بھی جواب نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اخباری کارکنوں کے مفادات سے غداری کی اُنہیں ان کا نمائندہ قرار دے دیا گیا۔ رشید صدیقی، رشید چودھری، نسیم الحق عثمانی اور اقبال مرزا جو اب غداری میں صحافت کے میدان میر جعفر اور میر قاسم کا درجہ حاصل کر چکے ہیں، انہیں پریس کے ملازمین کی ترجمانی کا حق تفویض کر دیا گیا ہے۔ ایک طرف مالکان کے نمائندوں کی حیثیت سے میر خلیل الرحمٰن، محمد احمد زبیری اور اشتیاق حسن قریشی جیسے حضرات بورڈ میں بیٹھے ہوں گے اور دوسری طرف ملازمین کے نمائندوں کی حیثیت سے اُن کے اپنے بندے تشریف فرما ہوں گے، پھر کیا ہے مالکان کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں گی اور سر کڑھائی میں حقیقت میں یہ بورڈ محض ڈھکوسلہ دینے کے لئے بنایا گیا ہے۔ اِسے قائم کرنے کا اعلان تو اخباری کارکنوں کی ملک گیر تحریک کے زمانے میں کیا گیا تھا تاکہ تحریک سے توجہ ہٹائی جائے۔ حکومت کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ مالک اس پر خوش نہیں ہوئے۔ اس پر وزارتِ اطلاعات کے حکام نے انہیں تسلی دی کہ آپ گھبرائیں نہیں ہم ایسا بورڈ تشکیل دیں گے جس سے آپ کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ کے اپنے ہی لوگ کارکنوں کے نمائندوں کی حیثیت سے نامزد کر دیئے جائیں گے۔ رشید صدیقی اور اقبال مرزا اتنی ہی بات کریں گے۔ جو حکومت ان کو کہے گی، رہ گئے رشید چودھری اور نسیم الحق عثمانی تو وہ امور داخلہ کے وزیر کے اخبارات سے متعلق ہیں، وہ بھی اپنے کہنے پر چلیں گے۔ انہوں نے آخر لاہور اور کراچی کی تحریک کے زمانے میں جس ڈھٹائی سے اخباری کارکنوں کے مفادات کو فروخت کیا۔ آخر اس کا کچھ صلہ تو اُن کو ملنا چاہیئے۔

رشید صدیقی اور اقبال مرزا کو صحافیوں کے نمائندوں کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ ذرا کوئی پوچھے کہ کیا یہ بیس فی صد صحافیوں کی نمائندگی بھی کرتے ہیں؟ رشید صدیقی کے اپنے یونٹ مشرق میں انہیں آج تک اکثریت حاصل نہیں ہوئی۔ اقبال مرزا کا یہ ہے کہ موصوف کو مارننگ نیوز میں کے پوچے کے تیس ارکان میں سے سات کی حمایت بھی حاصل نہیں۔ رہ گئے نسیم الحق اور رشید چودھری تو کوئی ان سے پوچھے کہ بھئی کراچی اپنک کی تقریباً سترہ رکنی یونینیں ہیں، اُن میں سے کتنی یونینوں کی آپ کو حمایت حاصل ہے؟ ڈان اور حریت اور ایک آدھ اور یونین کو چھوڑ کر کسی چوتھی یونین کا نام بتا دیں جو آپ کے ساتھ ہو۔ جنگ ایمپلائیز یونین ان کے خلاف، اے پی پی یونین ان کے

باقی صفحہ ۵۰ پر

امریکی رویے سے یورپی ممالک کے مفادات خطرے میں پڑ گئے

چار بڑوں کے اجلاس میں امریکی حکمت عملی پر شدید نکتہ چینی

شبیلہ الحسن

ایران کی سرزمین سے امریکہ کے پاؤں مکمل طور پر اکھڑ سکتے ہیں

گزشتہ دنوں جزیرہ گاڈلوپ میں جہاں موسم سرما میں دھوپ کی خوشگوار تمازت کسی نعمت سے کم نہیں، دنیا کے چار بڑے ممالک امریکہ، فرانس، مغربی جرمنی اور برطانیہ کے سربراہان کے درمیان ہونے والی میٹنگ پر بظاہر چار بڑوں کی پکنک کا گمان گزرا۔ جمی کارٹر، گیسکارڈ، شمت اور کیلیہان الفارمل ڈریس میں تھے۔ ایک سفید گول میز کے درمیان کرسیوں کی ترتیب میں فرانس کے صدر گیسکارڈ کے مشورے پر عمل کیا گیا لیکن اجلاس کے انعقاد کے ساتھ ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ پر لطف تفریح نظر آنے والی میٹنگ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی پالیسی اور حکمت عملی کی راہ متعین کرنے والا اہم اجلاس ہے۔

سیاسی مبصرین کے مطابق چار بڑے علاقوں کے سربراہوں کے درمیان کسی پیشگی ایجنڈے کے بغیر جن تین اہم نکات پر بات چیت ہوئی ان میں (الف) مشرق اور مغرب کے درمیان تعلقات بشمول چین (ب) سالٹ دوئم اور یورپی ممالک کی سلامتی اور تحفظ (ج) "ہاٹ اسپاٹس" ایران، ترکی اور افریقہ کے معاملات شامل ہیں۔

امریکی مبصرین کی اطلاعات کے مطابق کیلیہان، گیسکارڈ اور شمت نے امریکہ اور روس کے درمیان سالٹ دوئم کے سمجھوتے کے سلسلے میں کارٹر کی کوششوں کی حمایت کی لیکن اس ضمن میں یورپی ممالک اعصابی تشنج کے شکار ہیں کہ کہیں چین اور امریکہ کے تعلقات روس اور امریکہ کے دتیانت میں رکاوٹ نہ پیدا کر دیں اس کی ایک وجہ یورپی ممالک میں کارٹر کی قائدانہ صلاحیتوں کے بارے میں تذبذب کا احساس ہے۔ فرانس کے صدر گیسکارڈ اور مغربی جرمنی کے شمت، کارٹر کی قیادت کے سلسلے میں زیادہ خوش فہمی کا شکار نہیں ہیں وہ ان کی لیڈر شپ پر مقدور بھر نکتہ چینی کرنے میں کسی بخالت سے کام نہیں لیتے۔ شمت جب گاڈلوپ پہنچے تو انہوں نے کہا "کارٹر شاید موسم پر گفتگو کریں گے"۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ دوسرے سربراہوں کی طرح آپ اعلیٰ سطحی اسٹاف لے کر کیوں آئے ہیں تو انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ موسم خراب ہونے کی صورت میں وہ لوگ چھتریوں کا انتظام کر سکتے ہیں۔

غیر ملکی اخبارات کے مطابق ابتدائی اجلاسوں میں مشیر شامل نہیں ہوئے۔ اس پر امریکہ کی قومی سلامتی کے مشیر برزنسکی نے مزاحاً جملہ کس دیا کہ اگر میں اجلاس میں شریک نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میٹنگ ہی نہیں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ شمت اور گیسکارڈ کارٹر کے اس پروسیز کو پسند نہیں کرتے۔ انہوں نے جواباً کہا کہ "ہم خارجی ماہرین کے بغیر امور کو سادہ، واضح اور براہ راست انداز سے حل کرنا چاہتے ہیں۔ برزنسکی اور ان کے تین کاؤنٹر پارٹس کو بعد کے سیشن میں شریک کر لیا گیا۔

مغربی مبصرین کے مطابق کارٹر نے تینوں سربراہوں کو باہمی دلچسپی کے معاملات پر امریکی پالیسی کے بارے میں بریف کیا۔ اجلاس کی اہمیت کا اندازہ امریکی ہفت روزہ نیوز ویک کی اس اطلاع سے لگایا جا سکتا ہے کہ پچاس منٹ سے پہلے کسی سربراہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر نہ آئی۔ مغربی جرمنی کے چانسلر شمت نے روس کے بارے میں جس ردعمل کا مظاہرہ کیا اس پر کارٹر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس معاملہ میں جرمن زیادہ حساس ہیں اور یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے"۔

برطانیہ کے وزیر اعظم کیلیہان نے اعلان کیا کہ ان کے ملک نے چین سے ہیریئر طیارے کی فروخت کے سلسلے میں جو سمجھوتہ

کیا ہے اس پر ہر قیمت پر عمل کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ سمجھوتے کی مالیت دو ملین ڈالر ہے۔ چاروں سربراہوں نے امریکہ اور چین کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کے اقدامات کو مثبت اقدام قرار دیا۔ انہوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ چین اور امریکہ کے تعلقات کی بحالی روس اور امریکہ کے تعلقات کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

چار سربراہوں کے اجلاس کا اہم موضوع ایران رہا۔ عالمی سیاسی تبدیلیوں پر گہری نگاہ رکھنے والے مبصرین کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ پر سربراہوں کے درمیان گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ گیسکارڈ اور شمٹ نے امریکی حکمت عملی پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ایران میں امریکی رویّے سے یورپی مفادات خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ ان کے نزدیک امریکہ نے جس طرح کھل کر عوام کے معتوب شاہ کی حمایت میں کردار ادا کیا اس سے امریکہ کی غیر جانبداری ختم ہو گئی۔ اور امریکہ کے ساتھ اس کے اتحادی ممالک بھی ایرانی عوام کی نگاہوں میں مجرم بن گئے۔ گیسکارڈ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ صدر کارٹر کے غیر محتاط رویّے سے روس کی مداخلت اور تعلقات کی کشیدگی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک جانب تو امریکہ کے محکمہ خارجہ اور کارٹر کی جانب سے اعلان کیا جاتا ہے کہ ایران کے معاملات میں روس کے ملوث ہونے کی شہادتیں نہیں ملتیں، دوسری جانب روسی مداخلت کا شور برپا کر کے امریکہ براہ راست ایران کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتا آ رہا ہے جس سے ایران میں امریکہ کے ساتھ یورپی ملکوں کے مفادات خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ بحث کی گرما گرمی کو ٹھنڈا کرانے کے لئے برزنسکی کو بلوایا گیا جنہوں نے ایران کے بارے میں امریکی تعلقات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے ان الجھنوں اور رکاوٹوں کا بھی ذکر کیا جو ایران میں شاہ کے خلاف عوام کے اچانک ردِعمل پھوٹ پڑنے سے پیدا ہوئیں۔

مبصرین کا کہنا ہے کہ شمٹ اور گیسکارڈ نے صدر کارٹر پر زور دیا کہ ایران کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور عوام کی پیش قدمی سے شاہ کے زوال کے امکانات قوی تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر حقائق کی روشنی میں حکمت عملی اور پالیسی تبدیل نہیں کی گئی تو ایران کی سرزمین سے امریکہ کے پاؤں مکمل طور پر اکھڑ سکتے ہیں جس سے جنوب مشرقی ایشیا میں "ہماری خواہشات" کے برعکس سیاسی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔

امریکی اخبارات کے باخبر ذرائع کے مطابق صدر کارٹر نے ایران سے متعلق جو جائزہ پیش کیا اس میں آخری تبدیلی کی صورت میں شاہ پور بختیار کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ شاہ ایران کے بارے میں بھی کوئی فیصلہ کیا گیا جو امریکہ کے آئندہ عمل سے ظاہر ہو گا۔

ہفت روزہ نیوز ویک نے سربراہ کانفرنس کے بارے میں بڑا دلچسپ خلاصہ پیش کیا کہ امریکی صدر کارٹر کے معاونین نے کامیاب مذاکرات پر ان کی تعریف و توصیف کی۔ کارٹر کی حرکات و سکنات سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے تجربات میں اضافہ ہوا ہے انہوں نے اپنی بیوی روزلین اور بیٹی ایمی کے ساتھ گاڈلوپ میں تفریح کی خاطر اپنے قیام کی مدت میں مزید چند ایام کا اضافہ کر لیا جس کو کارٹر کا بونس قرار دیا جا سکتا ہے ●

رازی

سالگرہ کے کیک کا "سنسر"

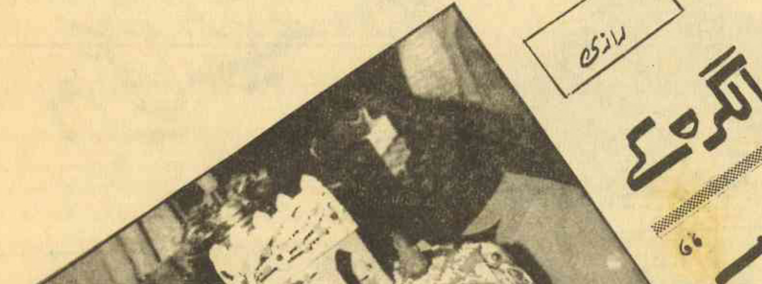

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سالگرہ ۵ جنوری کو یوں تو ملک بھر میں منائی گئی اور اس سلسلے میں خاصے جوش و خروش کے مظاہرے دیکھنے میں آئے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ سالگرہ لاہور میں اس سنسر کمیٹی نے بھی منائی جس میں ایک فوجی افسر مارشل لا حکومت کے نمائندے کی حیثیت سے شامل ہے۔ ۵ جنوری کی شام کو جب مساوات لاہور کے "اسکرپٹ" قبل از اشاعت "چھان بین" کے لئے سنسر کمیٹی کے سامنے پہنچے تو کمیٹی کے تمام اراکین نے بلا استثنا یہ شکایت کی کہ انہیں چیئرمین بھٹو کی سالگرہ کے کیک سے کیوں محروم رکھا گیا ہے۔ اس پر مساوات کا نمائندہ الٹے پاؤں واپس پھرا اور ایک "صحت مند" کیک لے کر سنسر کمیٹی کے پاس پہنچا یہ کیک چونکہ ملک کی سب سے طاقتور سیاسی جماعت کے اعلیٰ ترین رہنما کی سالگرہ کا تھا شاید اسی لئے پورے کا پورا ایک ہی نشست میں "سنسر" کر دیا گیا۔ سنسر کا ایسا کامیاب آپریشن پہلے نہیں دیکھا گیا۔ یہ کارنامہ تھی۔۔۔ معاف کیجئے گا۔ "بادبان" کے مجیب الرحمٰن شامی اور جسارت کے مولوی صلاح الدین نوٹ فرمائیں۔

ایوانِ اقتدار تین واضح دھڑوں میں بٹ چکا ہے

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

امریکہ اور انگلستان میں بھٹو کا طلسم توڑنے کے لئے ۳۰۔ہزار اسٹرلنگ پونڈ کی منتقلی

یوں تو پچھلے ہفتے کے دوران کوئی خاص سیاسی سرگرمی دیکھنے میں نہیں آئی لیکن اندرونِ خانہ سیاسی حالات بڑی تیزی سے پلٹ رہے ہیں۔ اسی ضمن میں سیاسی حلقے قومی اتحاد کی مذاکراتی ٹیم یعنی مفتی محمود اور نوابزادہ نصر اللہ خان، کی جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کو بھی اہمیت کا حامل قرار دے رہے ہیں۔ ان حلقوں کے مطابق اس وقت موجود حکومت میں ۳ گروپ واضح شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ان میں سے پہلا گروپ جنرل ضیاء الحق اور ان کے رفقاء ہیں۔ دوسرا گروپ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کا شامل اقتدار دھڑے پر مشتمل ہے۔ تیسرا گروپ مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ وغیرہ ہیں۔

باخبر ذرائع کہتے ہیں کہ پہلا گروپ موجودہ صورتحال میں وزراء کی کارکردگی سے غیر مطمئن ہے اور صوبائی سطح پر حکومتوں کی تشکیل کو غیر دانشمندانہ سمجھتا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق قومی اتحاد کی مذاکراتی ٹیم کو واضح طور پر بتلا دیا گیا ہے کہ اس گروپ کی رائے میں قومی اتحاد کی قیادت ملکی معاملات کے بارے میں سنجیدہ رویہ اختیار نہیں کر رہی ہے نہ ہی وہ اس بات کو محسوس کر رہی ہے کہ حکومت کو اس وقت کن مشکلات اور مسائل کا سامنا ہے۔ اس گروپ کو شدت سے احساس ہے کہ بھٹو آج بھی ملک کی سیاست میں سب سے بڑی قوت ہے اور سپریم کورٹ میں اپیل کا جو بھی فیصلہ ہو وہ حکومت کے لئے اور خاص طور پر اس گروپ کے لئے یکساں مشکلات پیدا کرے گا۔ اگر پھانسی کی سزا برقرار رہتی ہے تو نہ جانے کیا صورتحال پیدا ہو اور اگر سزائے موت کا فیصلہ تبدیل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ بھٹو کو جیل میں رکھنا ممکن نہ رہے اگر ایسا ہوا تو مشکلات میں جو اضافہ ہو گا فی الوقت اس کا تصور بھی پریشان کن ہے۔ اس صورتحال کے پیش نظر اس سال انتخابات منعقد کروانا بہت بڑے خطرات کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذاکراتی ٹیم کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ اپنے بڑے بڑے دعوؤں کے باوجود مسلم لیگ کے برسرپیکار گروہوں میں صلح نہ کروا سکے مذکورہ بالا صورتحال کی وجہ سے نہ صرف وہ لوگ مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتے ہیں جو صوبوں میں وزارتی عہدے سنبھالنے کی تیاریاں کئے بیٹھے تھے اور تعزیتی پیغامات وصول کر رہے ہیں بلکہ خود مفتی صاحب اور نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب کے منہ لٹک گئے ہیں اور ان لوگوں نے اب جو اندازِ گفتگو اختیار کیا ہے اس سے ان کی اس حکمت عملی کا پتہ چلتا ہے کہ حکومت سے نکالے جانے سے قبل وہ خود نکل جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود جماعتِ اسلامی اور اقتدار پسند مسلم لیگ بدستور کرسیوں سے چمٹی رہیں گی۔

جنرل ضیاء الحق نے بیرونِ ملک پاکستان کے سفیروں کی کانفرنس طلب کی اور یہ کانفرنس جو ۲ روز کے لئے بلائی گئی تھی، ۴ روز تک جاری رہی اور تمام اجلاسوں کی صدارت جنرل صاحب نے بذاتِ خود کی اور اپنے سامنے قومی اتحاد کے وزراء سے تقریریں کروائیں۔ واقفِ حال حلقوں کا کہنا ہے کہ وزراء نے یہ تقریریں اپنی عام تقریریں اور قومی اتحاد کے پروگرام سے ہٹ کر کیں جو کسی اور ذہن کی عکاسی کر رہی تھیں یوں تو ان اجلاسوں میں مختلف النوع مسائل پر بحث ہوئی لیکن سب سے زیادہ زور پروپیگنڈہ اور پبلسٹی پر دیا گیا۔ ایک اطلاع کے مطابق انٹیلی جنس بیورو سے ۳۰ ہزار اسٹرلنگ پاؤنڈ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز سیکریٹریٹ کے حساب میں منتقل کئے گئے ہیں اور فیصلہ کیا گیا ہے کہ یہ رقم انگلستان اور امریکہ میں ایسے تشہیری ادارے قائم کرنے پر صرف کی جائے گی تاکہ ان دونوں ممالک میں بھٹو کی شخصیت کا طلسم توڑا جائے بتایا جاتا ہے کہ جماعتیے وزیر ایم اے فاروقی اپنی تمام رجعت پسندی کے باوجود اس حقیقت کو محسوس کرنے اور اس سے حکومت کو مطلع کرنے پر مجبور ہوئے کہ انہوں نے اپنے حالیہ دورے میں یہ دیکھا کہ ان دونوں ممالک میں پاکستان کے حوالے سے صرف ایک شخصیت حاوی ہے اور وہ بھٹو کی شخصیت ہے اسی رپورٹ کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ انگلستان اور امریکہ میں مسٹر بھٹو کے امیج کو توڑنے یا بگاڑنے کے لئے پوری قوت سے کام لیا جائے۔ دوسرے جماعتیے (غیر سرکاری) وزیر پروفیسر خورشید احمد کی اچانک بیرونِ ملک روانگی کو اسی سلسلے کی کڑی بتایا جاتا ہے۔

یوں تو مارشل لاء حکومت میں سرکاری افسران کا رویہ اخبارات وجرائد کے ساتھ حاکمانہ ہی ہے مگر پریس ٹرسٹ کے اخبارات

باقی صفحہ ۴۶

پروفیسر غفور اور شیرباز مزاری کی

خفیہ ملاقات اور پیش کش

یہاں کے باخبر سیاسی حلقے مارچ تک کے عرصے اور خاص طور پر آئندہ "۱۵" دن کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں اس سلسلے میں سیاسی حلقوں میں کئی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کسی وقت کوئی تبدیلی آسکتی ہے خاص طور پر ایک اہم ادارے کی آپس کی دو لابیوں کی "چپقلش" کے بڑے چرچے ہو رہے ہیں۔ کافی عرصے سے دونوں لابیوں کی ملحقہ سیاسی جماعتیں کافی متحرک ہیں مگر حالات جس رخ میں بڑھ رہے ہیں اور ان لابیوں کی ملحقہ سیاسی جماعتوں کے "تحرک" سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ "لابی" کمزور پڑتی جارہی ہے جس کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے مگر بہر حال اس لابی نے مکمل طور پر ہمت نہیں ہاری پانسہ پلٹنے کی کوششیں اب بھی ہو رہی ہیں اس سلسلے میں اس لابی کی بڑی ملحقہ سیاسی جماعت "جماعت اسلامی" کی سرگرمیاں جن میں گذشتہ کچھ دنوں کے اندر کافی تیزی آگئی ہے قابل توجہ ہے اس سلسلے میں سب سے اہم اور قابلِ توجہ واقعہ گذشتہ دنوں جماعت اسلامی کے مفاقی نذیر پروفیسر غفور احمد کی کراچی میں این ڈی پی کے سربراہ سردار شیرباز مزاری کے ساتھ خفیہ ملاقات ہے

این ڈی پی اور جماعت اسلامی کے قریبی ذرائع نے اس ملاقات کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ ملاقات بہت اہم تھی اور اگر کامیاب ہوتی ہے تو اس کے ملکی سیاست پر کافی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں معلوم ہوا ہے کہ اس ملاقات میں پروفیسر غفور احمد نے جہاں ایک پارٹی کے تعلق والی لابی کا ایک اہم پیغام دیا وہاں اس بات کی خواہش بھی ظاہر کی کہ جماعت اسلامی اور این ڈی پی کو دوسری ملحقہ سیاسی جماعتوں سے مل کر اتحاد بنانا چاہیئے۔ معلوم ہوا ہے کہ مزاری صاحب اور این ڈی پی کے اندر ان کا گروپ اس نئی پیشکش پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں کیونکہ یہ گروپ بزنجو گروپ سے کافی گھبرایا ہوا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ اس قسم کے الائنس سے ان پر دوسرے گروپ کے دباؤ میں کافی کمی ہو سکتی ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ "دوسرا گروپ" "جماعت اسلامی سے اتحاد کے لیئے کبھی تیار نہیں ہوگا۔

پگارا کو
صرف اشارے
کا انتظار ہے

غینوں کی ڈائری

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اندرونِ سندھ اہم نوعیت کی تنصیبات اور مقامات پر ایک بار پھر سخت حفاظتی اقدامات اختیار کرنے کے احکامات دیئے گئے ہیں۔ سندھ کے بظاہر پرامن ماحول میں یہ اچانک اور غیر معمولی انتظامات مواصلات، بجلی، نقل و حمل اور ذرائع ابلاغ سے متعلق اہم مقامات اتنے زبردست اور اتنے سخت انتظامات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کوئی ایسا فیصلہ یا واقعہ ہونے والا ہے جس کے خلاف شدید عوامی ردعمل کی توقع کی جارہی ہے۔

ان اداروں میں اور ان مقامات پر لازمی خدمات انجام دینے والے عملے اور افراد کا داخلہ بھی مکمل جانچ پڑتال کے بعد ہو سکے گا۔ غیر متعلقہ افراد کے داخلے پر فوری طور پر مکمل پابندی لگانے کی ہدایات جاری کی گئی ہیں۔ حال ہی میں حیدرآباد میں

چوکس رہنے کے احکامات

مصنوعی مظاہروں اور پتھراؤ کی ریہرسل

محمد علی بلوچ

حفاظتی تدابیر اور امنِ عامہ کی صورتِ حال پر غور کرنے کے لئے مقامی انتظامیہ کا غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ دوسری جانب پولیس، سندھ کانسٹیبلری اور انڈس رینجرز کو حیدرآباد میں مظاہروں سے نمٹنے کی تربیت دینے کے لئے پولیس ہیڈ کوارٹر کے میدان میں مصنوعی مظاہرے اور پتھراؤ کی بھی ریہرسل کی جارہی ہے۔ طبی امداد سے متعلق عملے کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ۲۴ گھنٹے ہیڈ کوارٹر پر موجود رہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انتہائی ناگزیر حالات کے سوا چھٹی نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

کچھ لوگ اس خیال کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ تدابیر عام مروجہ طریقے کا ایک حصہ ہیں۔ جب کہ سیاسی حلقے ان انتظامات کے بارے کسی رائے کے اظہار سے گریز کر رہے ہیں۔

باخبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اہم ادارے سے تعلق رکھنے والے کچھ عناصر کی طرف سے ادارے کی دونوں لابیوں کے درمیان مفاہمت کرنے کے لئے آخری کوششیں کی جا رہی ہیں یہ عناصر اس سلسلے میں قومی حکومت کی تشکیل کی تجویز آگے لا رہے ہیں جن میں ملک کی سب سیاسی جماعتوں کو شامل کرنا مقصود ہوگا۔ ان ذرائع کے مطابق پروفیسر غفور نے مزاری سے اپنی خفیہ ملاقات میں یہ تجویز بھی سامنے رکھی کہ اگر اس قسم کی کوئی صورتحال بن گئی تو این ڈی پی بھی اس میں شامل ہو جائے مگر بہرحال انہوں نے زور اس بات پر دیا کہ جماعت اور این ڈی پی کو حکومت سے باہر رہ کر اس قسم کا اتحاد بنانے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

دوسری طرف جماعت اسلامی والی لابی کے ساتھ دوسری لابی بھی کافی سرگرم ہے مگر اس لابی کی ملحقہ سیاسی جماعتوں میں ایک قسم کا اعتماد جھلکتا نظر آرہا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جماعتیں سمجھتی ہیں کہ وہ بالنسبہ پلڑے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ پیر پگارو اس لابی کے خاص بڑوں میں سے ایک ہیں۔ راولپنڈی میں ایک لمبا عرصہ گزارنے کے بعد کراچی پہنچ کر انہوں نے اعلان کیا تھا کہ وہ ایک دو روز میں اہم اعلان کریں گے مگر یہ اعلان ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ ایسے لگتا ہے کہ پیر صاحب کو کچھ دنوں کے لئے روک دیا گیا ہے۔ بہرحال پیر صاحب کے قریبی ذرائع نے بڑے وثوق سے دعویٰ کیا ہے کہ پیر صاحب آئندہ ایک دو دن کے اندر ایک اہم پریس کانفرنس سے خطاب کرنے والے ہیں جس میں وہ پردہ اٹھائیں گے کہ "مسلم لیگ کو تین دھڑوں میں تقسیم کس نے کیا ہے" مگر ایسے لگتا ہے کہ پیر صاحب "اشارے" کے منتظر ہیں۔ اشارہ ملتے ہی پیر صاحب دھوم دھڑکے سے یہ انکشاف کریں گے اخباری نمائندے بھی پیر صاحب کی پریس کانفرنس کا شدت سے انتظار کر رہے ہیں کیونکہ پیر صاحب جب بھی بولتے ہیں کفن پھاڑ کے بولتے ہیں اور کھل کر بات کرتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ پیر صاحب ان کوششوں کا کوئی قطعی نتیجہ نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں جو اہم ادارے کی دو لابیوں میں مفاہمت پیدا کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں ●●

چاروں صوبوں کے فاقہ زدہ محنت کش کیوں متحد نہیں ہو سکتے

بھائی، بھائیوں کے ہاتھوں مارے گئے

آئین کی متفقہ طور پر منظوری کا سہرا بلوچستان کے سر ہے

سلیم حمید علی خان

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بلوچستان کا مسئلہ وہی ہے جو تمام ملک کا ہے۔ طاقتور اقلیت نے ہر صوبے میں سرور میں ظلم و استحصال کے پنجے گاڑے رکھے ہیں۔ بدعنوانی دھاندلی اقربا پروری کہاں نہیں ہے؟ کہاں غریب غریب تر اور امیر امیر تر اور زیادہ سفاک اور بے رحم نہیں ہوتے جا رہے؟ وطن عزیز کا کونسا علاقہ اخوت اور خوشحالی کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ کہاں عدل و انصاف کا خون نہیں ہو رہا، ہمارے بلوچ بھائی اپنے اعلیٰ مقاصد اور ان تھک جدوجہد کے نتائج کو صرف اپنے علاقے اور اپنی قومیت تک کیوں محدود رکھنا چاہتے ہیں؟ نواب خیر بخش مری نے کہا تھا۔ اگر (خاکم بدہن) پاکستان نہ رہا تو ہم بلوچستان کا نام پاکستان رکھ دیں گے اگر اسی جذبے سے کام لیا جائے تو عدل و انصاف کی سربلندی اور سماجی ناہمواری کے خاتمے کے لئے پوری قوم کو متحد اور منظم کیا جا سکتا ہے۔

میری ناچیز رائے میں علیحدگی کی بات کرنے والے یہ نوجوان احساس کمتری کا شکار ہیں۔ انہیں نہ خود اپنی ذات پر اعتماد ہے نہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اعلیٰ مقاصد کے حصول میں کامیابی کی توقع ہے۔ اگر وہ عظیم تر بلوچستان کی بجائے عظیم تر خوشحال تر پاکستان کا نعرہ بلند کریں تو وطن عزیز کے ہر علاقے سے مظلوم و معتوب طبقات ان کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ آج کی دنیا میں بڑی بڑی طاقتیں بھی ایک دوسرے پر انحصار کر رہی ہیں اگر مفاد پرست عناصر بین الاقوامی سطح پر متحد ہیں تو چاروں صوبوں کے فاقہ زدہ محنت کش کیوں متحد نہیں ہو سکتے؟ اور بلوچ رہنما اس سلسلے میں پیشقدمی کرنے میں کیوں سبقت نہیں کر رہے؟ اگر سندھی رہنما پنجاب کے محنت کشوں کا دل موہ سکتا ہے تو بلوچ رہنما بھی کسی سے کم نہیں ہیں پھر سواد اعظم تو صرف خلوص اور جذب صادق کا لہجہ سمجھتا ہے۔ قائد اعظمؒ کو اردو زبان میں بھی مہارت حاصل نہ تھی لیکن پنجاب کا دیہاتی بھی ان کی ایک پکار پر جان دینے کے لئے تیار رہتا تھا۔ بلوچ رہنما اکثر علیگڑھ اور حبیبیہ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ شستہ اردو بولتے ہیں اور سالہا سال سے قربانیاں دیتے رہے ہیں۔ کیا اپنے نوجوانوں کے شدت جذبات سے اب مغلوب اور لاجواب ہو گئے ہیں۔ رہائی کے بعد چند ماہ کی خاموشی قابل فہم تھی۔ یہ مسلسل سکوت پسپائی کی علامت ہے اور کم ہمتی پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

نواب مری، سردار مینگل اور نواب بگٹی کبھی یکجان و سہ قالب سمجھے جاتے تھے۔ اکٹھے ہی گرفتار کئے جاتے اور حکمران طبقے کے نمائندوں سے اکٹھے ہی ملاقاتیں ہوتیں اور متفقہ فیصلے اور مطالبے کئے جاتے لیکن دشمن کی ایسی نظر لگی کہ سال ہا سال سے آپس کی بات چیت بھی منقطع بتلائی جاتی ہے اور ہمارا الیقین واثق ہے کہ جس دن یہ تینوں مل کر بیٹھے قومی سیاست کو ایک نیا رخ مل جائے گا۔ میر غوث بخش بزنجو ایک معاملہ فہم معتدل مزاج مدبر ہیں۔ دستوری مذاکرات ناکام ہو چکے تھے۔ بابا کا سے نواب اکبر بگٹی کا انٹرویو نشر ہوتا ہے۔ صوبائی نیپ ہائی کمان سے فون پر بزنجو صاحب کو ہدایات دی جاتی ہیں کہ علیحدگی میں صدر سے مل کر بہر قیمت سمجھوتہ کر لیں اور پارٹی ہائی کمان کا بزنجو صاحب کے تدبر اور سیاسی سوجھ بوجھ پر یہ اعتماد صحیح ثابت ہوا۔ سمجھوتہ ہو گیا۔ پاکستان کو ایک متفقہ طور پر منظور شدہ دستور مل گیا اور اس کامیابی کا سہرا بجا طور پر بلوچستان کے سر پر باندھا جا سکتا ہے

۲ء میں خیر بخش مری نے متعدد بار صوبائی گورنر بننے سے انکار کیا۔ بعد میں نیپ کی صوبائی صدارت بھی بہ امر مجبوری سنبھالی۔ سردار عطاء اللہ کے کابینہ سے اختلافات پیدا ہو گئے تو کراچی میں عزلت نشین ہو گئے۔ نواب محمد اکبر بگٹی گورنر بنے تو ریذیڈنسی کو بطور دفتر ہی استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ مسافر خانہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ مرکز سے بعد و ساخت نے بلوچستان میں گوناگوں مسائل پیدا کر دیئے ہیں لیکن نہ تو قومیتوں کے نعروں سے یہ مسائل حل کئے جا سکتے ہیں نہ خاموشی کی راہ فرار اختیار کر کے سیلاب بلا کو روکا جا سکتا ہے۔

اصطلاح

بجے

ہی اصلاح طلب

اور بار

دانشوروں کے لئے ایک چیلنج ہے لیکن اگر قومیت کی اصطلاح کو صحیح مان لیا جائے تو بھی بلوچستان کے اندر (اہل پنجاب کو پنجاب اور اہل زبان طبقہ کو کراچی پارسل کر دینے کے بعد بھی) بلوچوں کے علاوہ بروہی ہزارہ پٹھان قومیتیں رہ جاتی ہیں۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ جن سے ہم قومی سطح کے مسائل سلجھانے کی توقعات وابستہ کرتے رہے ہیں وہ بلوچستان کے اندر بھی صرف اپنی بلوچ قومیت کے مسائل میں ہی الجھ کر رہ گئے ہیں جو آئین سازی جیسے پیچیدہ مسئلے پر فیصلہ کن قدم اٹھا کر قوم کی کشتی کو ساحل مراد پر پہنچانے کا حوصلہ رکھتے تھے آج جبکہ وطن عزیز کو عالی حوصلہ اور اولوالعزم سیاسی مدبروں کی ضرورت ہے تو عزم و ایثار کے یہ کوہ پیکر زعماء گوشہ عافیت میں پناہ لے کر زمام کار مضطرب و مایوس ناپختہ ذہن نوجوانوں کے حوالے کر بیٹھے ہیں۔ یہ عافیت کوشی اور سلامت روی بلوچستان کے عظیم بیٹوں کے ہرگز ہرگز شایان شان نہیں ہے۔

یہ امر کہ آیا فوج کشی کا جواز تھا یا نہیں اس کا فیصلہ تو عوامل اور شواہد کے بے لاگ تجزیہ سے ہی کیا جا سکتا ہے فوج کشی کے اثرات علاقہ کے لئے تباہ کن تھے۔ اس سے انکار ممکن نہیں۔ نوجوان پہاڑوں پر چلے گئے۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر مظالم ضرور ہوئے مگر یہ بھی خیال رکھا جائے کہ پاک فوج کے جوان بھی جلتی آگ میں جھونک دیئے گئے تھے۔

پہاڑ کے ایک مورچے سے ایک قبائلی ایک عدد اسٹین گن سے پوری پوری پلاٹون کا صفایا کرتا رہا۔ یہ فوجی جوان بھی کسی کے بیٹے، کسی کے بھائی اور کسی کے باپ تھے۔ یہ جوان پاک فوج میں ملازم ہوئے تھے کہ وطن عزیز کی حفاظت کے لئے دشمنوں سے لڑیں لیکن ان کو بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگنے پر مجبور کیا گیا وہ دشمنان وطن کے ہاتھوں جام شہادت پینے کو تیار تھے مگر انہیں اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں موت نصیب ہوئی۔ ان کی بھی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ان کے لئے آنسو بہاتی رہی ہیں۔ یہ دبی دبی آہیں اور جگر خراش سسکیاں بلوچستان کی طرح پنجاب کی فضاؤں کو بھی سوگوار بناتی رہی ہیں۔ زر و مال لٹ جائے تو تلافی ہو سکتی ہے، جانیں لوٹائی نہیں جا سکتیں۔ کسی فرد یا گروہ کے خون سے وقت کا دھارا نہیں رکتا۔ تاریخ کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ بلوچستان میں فوج کشی ہوتی رہی ہے۔ خون بہتا رہا ہے۔ اس کا سدباب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ صوبے اور مرکز کے درمیان افہام و تفہیم کے لئے باضابطہ اور منظم کوششیں کی جائیں۔ ماضی کے خونی واقعات سے سبق حاصل کر کے ایسے اقدامات کئے جائیں کہ ایسے المیوں کے اعادے کی نوبت نہ آئے۔ اگلا قدم بروقت اور صحیح سمت کی جانب ہو تو آلام و مصائب کے بادل از خود چھٹ جائیں گے

یہ سچ ہے کہ ہر "نسلی وحدت" کی ترقی اور خوشحالی میں ہی پوری قوم کی طاقت اور استحکام کا راز مضمر ہے اور قومی سطح پر عدل و انصاف کی بالادستی قائم ہو تو کوئی صوبہ یا نسلی وحدت محرومی کا شکار نہیں ہو سکتی چنانچہ اس وقت بنیادی مسئلہ قومی سطح پر تعمیری تبدیلیوں سے حق و صداقت کی حکمرانی قائم کرنا ہے۔ عدل و انصاف کی طاقت سے ظلم و استحصال کی ہر یلغار کو روکنا ہے۔ زندہ قوموں کے لئے یہ کوئی ناقابل حصول مقاصد نہیں ہیں۔ زندہ ہیں تو ظلمت شب ختم ہو کے رہے گی اور نمود سحر کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی لیکن اگر ہم انہیں کم کوشی اور عافیت پسندی سے حصول مقاصد میں ناکام رہے تو یہ المیہ تمام نسلی وحدتوں کے لئے یکساں طور پر تباہ کن اور ذلت آمیز ہو گا۔ جو پاکستان کے اندر اپنے حقوق حاصل نہ کر سکیں وہ کسی اور ملک یا طاقت کی خیمہ برداری کر کے بھی کچھ حاصل نہ کر پائیں گے کہ یہی قانون فطرت ہے۔

کسی مقصد کی کامیابی کے لئے ہدف کا تعین ضروری ہوتا ہے اور باہمی یکجہتی سے ہی نصب العین پر اتفاق رائے ہو سکتا ہے جس کے حصول کے لئے باضابطہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی

ہے تاکہ بھرپور، مسلسل اور منظم جدوجہد سے حصول مقاصد کی طرف پیش رفت کی جا سکے۔ ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر ہی اجتماعی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ نیز یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ ہمارا اثاثہ کیا ہے اور ضروریات کی فراہمی کے کون کون سے ذرائع میسر ہیں؟ نہ ہم سب سے کٹ کر زندہ رہ سکتے ہیں نہ ہی اپنی تمام ضروریات اور لوازمات اپنے وسائل سے فراہم کی جا سکتی ہیں۔

افراد کی طرح صوبے بھی ایک دوسرے سے یکساں طور پر محتاج ہیں اور باہمی ربط و اعانت سے ایک خوشحال قوم کی تعمیر کر سکتے ہیں

بلوچستان میں گزشتہ تین عشروں میں ہر سمت، قابل قدر ترقی ہوئی ہے۔ اس تعمیر و ترقی میں دوسرے صوبوں کے ماہرین اور محنت کشوں کا ناقابل فراموش حصہ ہے۔ حکام کی چیرہ دستیاں اپنی جگہ لیکن ان محنت جانوں نے نہایت نامساعد حالات میں لگن اور جذبے سے وطن عزیز کے اس دلنواز علاقے کی بھرپور خدمات انجام دی ہیں۔ قبل ازیں سرکاری شعبے کے کارخانوں کے لئے ماہرین دوسرے صوبوں سے کمی پوری کی جاتی رہی ہے لیکن اب نہ آبادی کی کمی ہے نہ ماہرین کی۔ اور تنظیم کا فقدان اکثر و بیشتر خرابیوں کی جڑ ہے۔ موجودہ صدی اعداد و شمار کی ہمہ گیر طاقت کی صدی ہے۔ معاشی معاشرتی حتیٰ کہ نظریاتی مسائل بھی عددی حقائق کی کسوٹی پر پرکھے جانچے جاتے ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی ضروریات اور صلاحیتوں کے اندازے لگائے جاتے ہیں۔ مطالبات اور شکایات کی فہرستیں بنائی جاتی ہیں تو مسائل کے حل اور مشکلات کے ازالے کے لئے خود بخود میدان ہموار ہو جاتا ہے معروضی حالات کے تجزیئے سے ہی حقائق کو ظن و الہام کے گرد و غبار سے صاف کیا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر وہم و وسوسے اور تعصبات ہمیں منفی جذبات کے بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں اور وقت کی دو دھاری تلوار ہماری منتشر قوت و توانائی کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔

کسی برائی کے تدارک کے لئے اس کی علت غائی معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں جو بدعنوانی اور لاقانونیت پائی جاتی ہے اس کے لئے کبھی تو انتظامیہ کو بحیثیت مجموعی ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور کبھی انہیں سیاست والوں کا آلہ کار بتلا کر بری الذمہ قرار دیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں طبقے یعنی سیاستدان اور انتظامیہ اس دو تین عددی سپر ٹیم کے آلہ کار محض ہوتے ہیں اور یہ پاکستانی "مافیا" ۱۹۴۷ء سے ہی ملک کی سیاہ و سفید کا مالک چلا آ رہا ہے۔ اس سرطان نے ملک کے تمام نجی اور سرکاری شعبوں میں اپنے زہریلے پنجے گاڑ رکھے ہیں گزشتہ بیس سال سے سپیریئر سروس کے شہزادگان تعلیم، صحت صنعت، تجارت، قدرتی وسائل مالیات وغیرہ تمام اداروں پر مسلط ہیں اور متعلقہ ماہرین کو ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔ پرمٹ اور لائسنس کی طرح تقرری، ترقی اور تبادلے ہر سطح پر قابل فروخت اشیاء ہیں۔ سرکاری رقوم جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں پانی کی طرح بہا دی جاتی ہیں۔ اب اگر یہ تمام محکمے ماہرین کے حوالے کر دیئے جائیں اور ہر شعبہ صرف صوبائی حکومت کے سامنے جوابدہ ہو تو "مافیا" کا یہ ناقابل تسخیر قلعہ آن کی آن میں مسمار ہو جائے گا۔ صوبائی خود مختاری کا مطالبہ بس اتنا ہی تو ہے کہ صوبے کے اندر صوبائی نمائندے اپنے صوابدید کے مطابق اپنے وسائل اپنے علاقے کی خوشحالی اور ترقی کے لئے صرف کرنے کا اختیار چاہتے ہیں لیکن "مضبوط مرکز" کا نعرہ ملک کے طول و عرض میں گونجنے لگتا ہے اور اپنا حق طلب کرنے والے غدار، علیحدگی پسند اور وطن دشمن قرار پاتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں یہی بلوچستان کا مسئلہ ہے۔ یہی مشرقی پاکستان کا مسئلہ تھا اس کو حل کئے بغیر ہم ایک باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کے مستحق نہیں ہیں ●

بحث — جوہر میر

"ترقی پسند" انقلابی جماعت بھی جماعت اسلامی کا دُم چھلہ بن کر رہ گئی

قسط ۳

نیشنل پروگریسو پارٹی کو این ڈی پی کی قیادت اور فلسفے سے اختلاف ہے

اب آیئے اخبار نویس کے دوسرے سوال کی طرف، سوال یہ تھا کہ ایک بار پھر ملکی سیاست میں نئی صف بندیاں ہو رہی ہیں اور کسی نئے "اتحاد" کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ آپ کی پارٹی اس سلسلے میں کیا رویہ اختیار کرے گی؟ زہ نجو صاحب نے جواب دیا "(۱) میں نہیں سمجھتا نئی صف بندیوں سے لوگوں کا کیا مقصد ہے اور وہ اپنے کون سے مقاصد پورے کرنا چاہتے ہیں مگر عام طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے اندر اور باہر جو فرقہ وارانہ جماعتیں موجود ہیں وہ اپنا کوئی نیا گٹھ جوڑ کرنا چاہتی ہیں۔ ظاہر ہے اس حد تک جو اتحاد قائم ہوں گے وہ کوئی خاص مقصد حاصل نہ کر سکیں گے۔ (۲) مجھے اب تک ایسی کوئی جماعتیں "یا فکری حلقے" نظر نہیں آئے جو ملک کے بنیادی مسائل اور مشکلات کے حل کے بارے میں دیانتداری سے "اتحاد" کے خواہاں ہوں (۳) ملک کے بنیادی مسائل حل کرنے کیلئے مختلف نمائندہ جماعتوں کے اتحاد کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ عوام کے ذریعے بنیادی اور اہم مسائل حل کر سکیں (۴) موجودہ حکومت غیر نمائندہ ہے اس میں صلاحیت نہیں کہ ان تیس سالہ بنیادی مسائل کو حل کر سکے جو اس ملک کی ترقی اور اتحاد میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں یہ کام صرف عوام کی نمائندہ جماعتیں ہی کر سکتی ہیں (۵) موجودہ صورتحال میں چند ایسی جماعتیں اکٹھی ہو سکتی ہیں جو اس ملک میں جمہوریت کے نفاذ، موجودہ نوآبادیاتی نظام حکومت کو ختم کرنے اور ملک میں قومی جمہوریت کے قیام اور وفاق پاکستان میں آباد مختلف قومیتوں کے اتحاد سے ایک واحد پاکستانی قوم کی تشکیل اور ملک کی نوے فیصد انسانی آبادی کو حیاسی اور اقتصادی ذرائع پر قابض کرنے کی سعی اور سوچ رکھتی ہوں"۔

جناب زہ نجو کے اس جواب میں پانچ اشاروں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پہلے اشارے میں وہ اس بات سے لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ نئی صف بندیوں سے لوگوں کا کیا مقصد ہے مگر جلد ہی حکومت کے اندر اور باہر فرقہ وارانہ جماعتوں کے گٹھ جوڑ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ موجودہ صورتحال کے مطابق اس وقت تین ہی فرقہ پرست جماعتیں محورِ سیاست پر نظر آتی ہیں۔ ایک جماعت اسلامی دوسری جمعیت علمائے اسلام اور تیسری جمعیت علمائے پاکستان، پہلی دونوں جماعتیں حکومت کے اندر ہیں جبکہ تیسری فرقہ وارانہ جماعت حکومت کے باہر رہ کر اندر والی ہم جنس جماعتوں کو قومی اتحاد کے مقصد و منشور کا آئینہ دکھا دکھا کر کوس رہی ہے اور معروضی حالات میں زیادہ بہتر کردار ادا کر رہی ہے۔ مولانا نورانی اور شیر باز مزاری کے ٹیلیویژن انٹرویو کے موازنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جمہوریت کی بحالی، انتخابات اور مسائل کے حل کی طرف توجہ مبذول کرانے کے عنوانات پر جناب نورانی میاں نے غیر فرقہ وارانہ جماعت این ڈی پی کے سربراہ سے بہت زیادہ مثبت رویّے کا اظہار کیا۔ موجودہ صورتحال ہی کے حوالے سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جناب زہ نجو نے جس "گٹھ جوڑ" کی نشاندہی کی ہے درحقیقت اس کا کوئی وجود نظر نہیں آتا، حکومت کے اندر فرقہ وارانہ جماعتوں کا باہر والی فرقہ وارانہ جماعت کے ساتھ عقائد کے تضادات کے حوالے سے جو تصادم دکھائی دے رہا ہے وہ جناب زہ نجو کے دعوے سے بالکل مختلف ہے اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی کہاوت پر پورا اترتا ہے کیونکہ جناب زہ نجو "فرقہ وارانہ گٹھ جوڑ" کی اصطلاح استعمال کر کے خواہ مخواہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ این ڈی پی ایک غیر فرقہ وارانہ جماعت ہے اور صرف این ڈی پی ہی ایک ایسی جماعت ہے جو نظریئے تبدیل نہیں کرتی اور جو حقیقی جمہوریت اور انصاف کی بات کرتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ جناب زہ نجو کی پرانی پارٹی نیپ نے سرحد اور بلوچستان میں ایک فرقہ وارانہ جماعت کے ساتھ "گٹھ جوڑ" کسی مارکسی فلسفے کی بنیاد پر کیا تھا اور یہ کہ وہ جائز تھا یا ناجائز؟ ہم یہ بھی پوچھتے ہیں کہ پی این اے کا قیام کس انقلابی فلسفے کے تابع تھا جس میں ایک نہیں تین فرقہ وارانہ جماعتیں شامل تھیں اور جن کا منشور اور پروگرام نہ تو سوشلزم تھا نہ قومی جمہوریت بلکہ جو نظام مصطفےٰ کے قیام کی مدعی تھیں جس کے خدوخال ابھی تک دیکھنے میں نہیں آ رہے

اگر یہ سب کچھ منافقت نہیں تو جناب زہ نجو کو اپنی سیاسی دیانتداری کے حوالے سے یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے تھی کہ سائنسی اصطلاحوں کے لبادے کے اندر این ڈی پی کا کردار فرقہ وارانہ جماعتوں سے زیادہ گھناؤنا ہے، فرقہ وارانہ جماعتوں کا کردار کبھی ڈھکا چھپا نہیں رہا، دنیا جانتی ہے جماعت اسلامی جب سے قائم ہوئی ہے کس

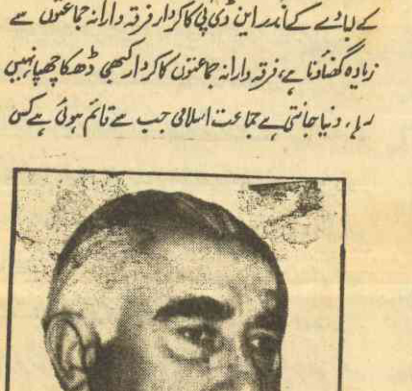

وہ کون سی غیر فرقہ وارانہ جماعتیں ہیں جو متحد ہو سکتی ہیں؟

مشن کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے دنیا جانتی ہے جماعت اسلامی کی مخالف مذہبی جماعتیں جماعت اسلامی سے عقائد اور عمل کے اعتبار سے کتنے اختلافات رکھتی تھیں اور اس کے باوجود ایک مخصوص "مشن" کے لئے وہ بنیادی اختلافات کو پس پشت ڈال کر جماعت کے پرچم تلے متحد ہو گئیں اور تو اور این ڈی پی جیسی "ترقی پسند" "انقلابی" جماعت بھی جماعت اسلامی کا دم چھلہ بن کر رہ گئی۔ لوگ یقیناً حیران ہوئے ہیں کہ این ڈی پی کے اصطلاحی دعووں اور اس کے حقیقی کردار کے حوالے سے وہ جناب بزنجو کے خیالات کو کیا سمجھیں اور کتنی داد دیں۔

جواب کے دوسرے اشاریے میں وہ کہتے ہیں کہ انہیں ایسی کوئی جماعت یا فکری حلقے نظر نہیں آتے جو بنیادی مسائل کے حل کے لئے دیانتداری کے ساتھ "اتحاد" کے خواہاں ہوں، جناب بزنجو کا اس تعلّی یا تجاہل عارفانہ سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اب لے دے کے ایک این ڈی پی ہی رہ گئی ہے جو بنیادی مسائل حل کرانے کی استطاعت اور استعداد رکھتی ہے ورنہ باقی سب کی سب جماعتیں فرقہ وارانہ گٹھ جوڑ کی خواہاں ہیں۔ بزعم خود غلط قسم کی اس منفی دانشوری کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اگر فرقہ وارانہ جماعتوں کے تضادات سے ماورا، خالص سیاسی اور جمہوری تقاضوں کے تحت کسی اتحاد کی گنجائش ہو بھی تو اسے سبوتاژ کیا

عبدالولی خاں اب کیوں موجودہ حکومت پر شک کرنے لگے ہیں۔

جائے۔ وہ لوگ جو باقاعدگی سے اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں یا ملکی سیاست پر گہری نظر رکھتے ہیں وہ یقیناً گواہی دیں گے کہ جناب بزنجو کی بصیرت اور بصارت دونوں مرغن غذاؤں سے بے حد متاثر ہوئی ہیں کیونکہ پاکستان کے اندر ایسی جماعتیں اور ایسے فکری حلقے یقیناً موجود ہیں جو ترقی پسند حلقوں کا وسیع تر اتحاد چاہتے ہیں اور عملاً اتحاد کے قیام میں مصروف بھی ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ماضی میں کسی بھی فرقہ وارانہ یا رجعت پسند جماعت کے ساتھ آلودہ نہیں رہے جیسا کہ این ڈی پی اور نیپ رہ چکی ہیں جناب بزنجو کو شاید اسی لئے این ڈی پی کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی یا وہ عموماً کسی کو اپنے سے اونچا دیکھنا ہی نہیں چاہتے کہ مبادا باہم دامنی کا پول کھل جائے یا مبادا کوئی پوچھ بیٹھے کہ جناب آپ نے نیپ کے سوشلزم کا کیا حشر نشر کیا جواب قومی جمہوریت کے درپے ہو گئے ہیں۔

بصارت کی نوحہ خوانی کے فوراً بعد تیسرے اشاریے میں وہ ایسی نمائندہ جماعتوں کے اتحاد کی شدید ضرورت پر زور دیتے ہیں جو عوام کے ذریعہ ملک کے بنیادی مسائل حل کرانے کا عزم رکھتی ہوں گویا وہ قائل ہیں کہ این ڈی پی کے علاوہ بھی نمائندہ جماعتیں موجود ہیں جو اتحاد کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ جواب کے دوسرے حصے میں تو انہیں ایسی جماعتیں اور ایسے فکری حلقے نظر ہی نہیں آتے مگر کیا کیجئے، جادو وہی ہوتا ہے جو سر چڑھ کر بولے، سو وہ مان گئے کہ این ڈی پی کے علاوہ بھی نمائندہ جماعتیں موجود ہیں مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی جماعتیں ہیں جنہیں وہ نمائندہ سمجھنے کا اعزاز بخشتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کو تو وہ نمائندہ مان نہیں سکتے اگر جناب بزنجو کی نظر میں وہ نمائندہ ہوتیں تو این ڈی پی، پی این اے سے کیوں علیحدہ ہو جاتی اور کیوں حکومت کے اندر اور باہر "فرقہ وارانہ جماعتوں" کی اصطلاح استعمال کرتے اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسی کون سی جماعتیں ہیں جن کے ساتھ وہ شدید ضرورت کے اتحاد کو پسند کر سکتے ہیں۔ کیا تحریک استقلال کو جناب بزنجو نمائندہ کہتے ہیں کیا وہ پاکستان پیپلز پارٹی کو نمائندہ

جماعت کہتے ہیں اور ان دونوں جماعتوں سے اتحاد کر سکتے ہیں؟ ہمیں معلوم نہیں جناب بزنجو صاحب کا کیا جواب ہوگا اور یہ کہ وہ ان دونوں جماعتوں کو فرقہ وارانہ جماعتیں کہتے ہیں یا غیر فرقہ وارانہ۔ تاہم نیشنل پروگریسو پارٹی، مزدور کسان پارٹی، پاکستان سوشلسٹ پارٹی، قومی محاذ آزادی اور پاکستان عوامی جمہوری پارٹی میں سے کسی جماعت کو درخور اعتنا سمجھتے ہیں۔ ریکارڈ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیشنل پروگریسو پارٹی سے اگر ان کا اتحاد ہو سکتا تو یہ پارٹی این ڈی پی سے الگ ہو کر وجود میں نہ آتی۔ وہ علیحدہ ہی اسی لئے ہوئے کہ این ڈی پی کی قیادت اور فلسفے سے ان کو بنیادی اختلافات تھے۔ مزدور کسان پارٹی بھی نیپ کے علیحدہ ہونے والے سیاسی دانشوروں کی جماعت ہے جو اس لئے علیحدہ ہوئے تھے کہ نیپ کی منزل "سوشلزم" کے حقیقی فریب سے وہ آگاہ ہو گئے تھے

پاکستان سوشلسٹ پارٹی بھی قدیم نیپ ہی کی ایک شاخ ہے جو نیپ کی تقسیم کے بعد اس نئے نام سے نمودار ہوئی۔ ظاہر ہے یہ جماعت بھی این ڈی پی سے بنیادی اختلافات رکھتی ہے، قومی محاذ آزادی اور عوامی جمہوری پارٹی بھی دو ایسی جماعتیں ہیں جو سابقہ دور میں پیپلز پارٹی کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ جناب بزنجو ان مذکورہ جماعتوں کے علاوہ کن جماعتوں کے اتحاد کی توقع رکھتے ہیں یا اپنے علاوہ کن جماعتوں کو اس بات کا اہل کہتے ہیں کہ وہ بنیادی مسائل حل کرانے میں سنجیدہ اور مخلص ہیں۔ اگر بزنجو صاحب نے ان جماعتوں کی نشاندہی خود ہی کر دی ہوتی تو صرف ہمارے سمجھنے کی حد تک بلکہ ایک اچھے اتحاد کے قیام میں بھی مدد مل سکتی۔ کم از کم دوسری مخلص جماعتوں کے لئے سلسلہ جنبانی کا جواز تو پیدا ہو جاتا مگر کیا کیا جائے کہ بلوچستان کے قومی مفادات کے لئے بزنجو صاحب تو نیشنل عوامی پارٹی پختون خواہ کو بھی اس قابل نہیں سمجھتے کہ بلوچستان کی حد تک اس کے ساتھ اتحاد کر لیا جائے۔

اپنے چوتھے اشاریے میں انہوں نے موجودہ فوجی حکومت کو غیر نمائندہ قرار دے کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس میں تیس سال پرانے مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں صرف نمائندہ جماعتیں ہی مسئلے حل کر سکتی ہیں جہاں تک موجودہ حکومت کے غیر نمائندہ ہونے کا تعلق ہے ظاہر ہے اس میں کسی کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جناب بزنجو کو یہ بات معلوم کب ہوئی کہ یہ فوجی حکومت غیر نمائندہ ہے۔ ان کے سیاسی استاد عبدالولی خان تو گلا پھاڑ پھاڑ کر اس حکومت کے نمائندوں کی داد دیتے رہے ہیں مگر وہ تو یہ فتویٰ بھی صادر کر چکے ہیں کہ جب تک جی ہاں جب تک احتساب کا عمل مکمل نہ ہو جائے انتخابات نہ کرائے جائیں اب ایسی کیا تبدیلی رونما ہو گئی ہے کہ موجودہ حکومت کی صلاحیتوں پر شک کیا جانے لگا ہے اور نمائندہ جماعتیں یاد آنے لگی ہیں۔ اگر وہ اور ان کی جماعت واقعی سیاسی جماعتوں کے نمائندہ وجود پر یقین رکھنے والے تھے تو پھر کیا وجہ ہے کہ عبدالولی خان سال سے تمام فوجی حکومت ہی سے کرانے کے خواہشمند ہیں غضب تو یہ ہے کہ وہ نمائندہ جماعتوں کا نام ہی نہیں بتاتے اپنے واضح نظریات کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ فرقہ وارانہ گٹھ جوڑ میں شامل رہنے کے باوجود قومی جمہوریت کی بات ہی کرتے ہیں اور سوشلزم کی منزل چھوڑ کر نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی خواہش بھی رکھتے ہیں درآنحالیکہ نظام مصطفےٰ کی تشریح و توضیع کرنے کا حق بھی صرف سربراہ حکومت، لے کے بر دیں، مولانا مودودی اور یا پھر کچھ تھوڑا بہت مفتی محمود کو حاصل ہے۔ ان لنترانیوں میں ہمیں جناب بزنجو صاحب کیلئے جو خطرہ جھانکتا نظر آتا ہے وہ غالب کے اس شعر میں پوشیدہ ہے۔

باقی صہ ۴۶

ایک جج کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ تبلیغ کرے

جنابِ صدر، اور پاکستان بار ایسوسی ایشن کے رکن حضرات :

ہر سال جب آپ مہمانِ خصوصی منتخب کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ اسے اس اعزاز کا احساس ہے اور اگر میں دوسرے موضوعات میں محو نہ ہو گیا تو میں بھی توقع کرتا ہوں کہ میں اس رحمتِ خداوندی کی فیض رسانی کا شکر بجا لاؤں جس نے میرے حال کو اس طرح تراشا ہے جس کی وجہ سے آپ کو یہ استحقاق حاصل ہوا کہ آپ مجھے اس اعزاز کے لئے معقول تصور کریں۔ لیکن میں ہمیشہ پُریقین نہیں رہا ہوں، جوش و خروش اور پے در پے تبدیلیوں کے ان پچھلے چند سالوں میں، کہ میں پچاس سال قبل کے اس امریکی صحافی کی حیثیت میں نہیں ہوں جو شنگھائی یا چین کے کسی اور شہر میں تعینات تھا اور برسہا برس گزر چکے تھے جب کہ شہر کے میئر نے اس کی خوبیوں کو پہچانا اور اس کے اعزاز میں ایک جلسۂ عام طلب کیا۔ یہ ایک غیر معمولی چیز تھی اور چین میں اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا، پاکستان میں تو اب بھی ایسا نہیں ہوتا، حالانکہ صحافت ایک عظیم پیشہ ہے اور میں ان صحافیوں کو یقیناً پسند کرتا ہوں جو "قانون کی حکمرانی اور وکیلوں کی حکمرانی میں کیا فرق ہے؟" جیسے خوشگوار سوالات سے کسی لیڈر کو تنگ کر سکتے ہیں۔ بہر حال امریکی صحافی نے اپنے آجروں کو خصوصی ٹیلی گرام بھیجے۔ اور اپنا بہترین لباس زیبِ تن کیا اور اپنے بہترین دانت لگائے۔ ٹاؤن ہال میں تالیوں کی گھن گرج سے اس کا استقبال کیا گیا۔ اور اس نے کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا "مسٹر میئر اور شہریو، میں اسے اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتا ہوں، میرا ملک بڑا اعزاز سمجھتا ہے۔۔۔" اور اس کی یہ تھکا دینے والی خود ستائی جاری تھی میئر نے کہا "اسے ختم کرو۔ شہریوں کو اپنے دانت دکھاؤ۔ انہیں باہر نکالو، یہ لوگ اسی لئے آئے ہیں"۔ سو اس نے اپنے نقلی دانت باہر نکالے، انہیں لوگوں کو دکھایا اور اس کے بعد منہ کے اندر کا حصہ دکھایا تاکہ انہیں یقین آ جائے کہ اندر اور کچھ نہیں ہے۔ اور انہوں نے تالیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا "اب انہیں اندر رکھ لو"، میئر نے کہا۔ تب اس نے انہیں اندر رکھ لیا۔ اور لوگوں کو اپنے دانت دکھائے اور انہوں نے تالیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

جنابِ صدر، مجھے بعض اوقات حیران ہوا، کہ کہیں آپ مجھے اس لئے تو نہیں بُلا رہے ہیں کہ میں اپنے دانت دکھاؤں، چاہے وہ نقلی ہی کیوں نہ ہوں۔ آج کل اکثر چیزیں نقلی ہیں۔ اس لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن میں ہنسی اڑاتے ہوئے تو در رہا تیوری چڑھا کر اپنے دانت دکھلانے پر مسکراتے ہوئے دانت دکھانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ آپ کہیں گے کہ یہ میں اپنی دانشمندی کی وجہ سے کرتا ہوں اور میں یہ کہوں گا کہ اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے کرتا ہوں۔ کیونکہ اگر آپ ہنسی اڑائیں تو ہو سکتا ہے کہ چیزیں آپ کے دانتوں پر مار دی جائیں۔

لیکن جنابِ صدر، آپ کے نائب صدر مسٹر یحییٰ بختیار نے خطبۂ استقبالیہ کا جو مسودہ مجھے بھیجا اس کے چہرے پر نہ تو مسکراہٹ تھی نہ استہزائیہ ہنسی۔ اس کی تو تیوری بھی چڑھی ہوئی نہیں تھی۔ یہ قانون کی حکمرانی اور عدلیہ کی آزادی کی موت پر اس طرح زیرِ لب نوحہ خواں ہے جس طرح بہار کی نرم ہوا اپنی محبوب شئے سے بچھڑ جانے والے عاشق کے دل کے لئے میٹھی کسک لاتی ہے۔ یہ مجھ جیسی جذباتی آنکھوں میں آنسو لے آتا ہے ہو سکتا ہے کہ زیادہ باعمل آنکھوں میں غصہ لاتے۔ لیکن مسٹر بختیار کی بہار کی ہوا بعض اوقات کم نرم رو ہوتی ہے۔ اور مجھے اس بات کا دکھ نہیں ہے کہ یہ تھوڑی سی گرد اڑاتی ہے۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ ہے جس سے لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ گرد بھی موجود ہے۔ اور بعد میں موسم گرما میں یہ طوفانِ گرد بھی بن سکتی ہے۔ گرد کے طوفانوں کے ضمن میں۔

برسوں پہلے میں ایک جگہ تھا جس کا نام بھکر ہے۔ جہاں عدالت میں بھی میں اپنی ناک اور منہ پر کپڑا لپیٹے رہتا تھا اور ہیٹ بھی اوڑھے رہتا تھا تاکہ گرد

مسٹر جسٹس ایم آر کیانی کا
پاکستان بار ایسوسی ایشن سے خطاب
بتاریخ ۴ اپریل ۶۰ء

دورِ جدید میں خیر اور شر علم
اسمبلیوں کے مرتب کردہ قوانین کے ذریعے
ہم تک پہنچتا ہے

اس طوفان کے بارے میں جو تین ماہ تک جاری رہا

مسٹر بختیار مضبوط قویٰ رکھتے ہیں اس لئے مسلسل آئین کے بارے میں بولتے ہیں

سے بچا رہوں۔ میں نے اپنے ریڈر سے پوچھا کہ لوگ وہاں کیسے دن گذارتے ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ لوگ سونے سے پہلے اپنے جسموں کو ایک چادر سے ڈھک لیتے تھے اور صبح چادر کو ہلکے سے جھٹک کر گرد جھاڑ دیتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ بعض اوقات گرد اندر چلی جاتی اور پیچیدگیاں پیدا کرتی ہے لیکن جنگل میں پیلو کی بہتات تھی اور لوگ اسے بیری کی طرح کھاتے تھے۔ درحقیقت پیلو بیری کی ایک قسم ہے، گو اتنی اچھی نہیں جتنی اسٹابیری، یا جھڑ بیری ہوتی ہے۔ لیکن اس کی دلکشی، اس کی جلاّب آور کی ہے۔ اور جہاں فطرت نے طوفان تخلیق کئے ہیں وہاں پیلو بھی پیدا کی ہے۔ ۳ ماہ بعد میں شملہ گیا اور ایک مجھ سے زیادہ پرانے سویلین نے پوچھا کہ بھکر مجھے کیسا لگا۔ میں نے کہا، وہاں باربار گرد کے طوفان آتے ہیں۔ اس نے کہا، یہ بڑی نمایاں بات ہے۔ کیونکہ اس کے دور میں صرف ایک طوفان آتا تھا۔ مجھے اس پر رشک آیا اور میں نے اتفاق کیا کہ یہ بڑی نمایاں بات تھی۔ بلکہ حقیقت میں یہ خوش قسمتی تھی لیکن سارے لوگ خوش نصیب نہیں ہوتے۔ اور عید کا چاند جو شاعر کی نظر کو پیمانۂ شراب دکھائی دیتا ہے، چند لوگوں کے لئے لبریز پیمانے لاتا ہے اور چند دوسروں کے لئے تہی جام۔ بہرحال مجھے اس پر رشک آیا۔ اور تجسس میں اس سے پوچھا کہ اس کی زندگی میں وہ ایک طوفان گرد حقیقتاً کب آیا تھا۔" اوہ، یہ ایک پیچیدہ سوال ہے۔" اس نے کہا۔" تم نے مجھے یہاں پکڑ لیا ہے، وہ تنہا طوفانِ گرد ماہِ مئی میں آیا اور اگست کے وسط تک جاری رہا۔" جناب میں حیران نہیں ہوا۔ میں نے قہقہہ لگایا (جیسے آپ اس وقت لگا رہے ہیں) لیکن میں نے مہینوں جاری رہنے والے تنہا طوفان کے فلسفے پر غور کیا۔ آپ اس کے عادی ہو جاتے ہیں آپ اسے ایک ناخوشگوار چیز سمجھنا چھوڑ دیتے ہیں میں مسٹر بختیار کو مشورہ دوں گا کہ وہ ایک چادر پیدا کریں۔ اسے ایسی سخت اور کلف دار نہیں ہونا چاہیئے جیسی کہ کفن کی چادر ہوتی ہے۔ انہیں چاہیئے

کہ ہر طرح ذہنی عمل کو سادہ طریقے سے مادّی صورتحال کے مطابق ڈھال کر تفکّرات کی گرد کو جھاڑ دیں۔ انہیں پیلو بھی استعمال کرنے دیجئے تاکہ ان کی وزارت داخلہ میں صحت مند ماحول پیدا ہو۔ اور جناب صدر، یہ اسٹابری اور جھڑ بیری کا آمیزہ جس کا نام پیلو ہے، مجھے خیر و شر کے علم کے اس درخت کی یاد دلاتا ہے جس کے کھانے سے آدم کو اللہ نے منع کیا تھا، اب یہ صداقت مجھ پر زیادہ آشکارا ہوئی ہے کہ دورِ جدید میں خیر و شر کا علم ہم تک اسمبلیوں کے مرتب کردہ قوانین سے پہنچتا ہے۔ کیونکہ جب آدم کو سزا کے طور پر زمین جوتنے کے لئے باغِ عدن سے نکالا گیا تو انہیں یہ علم کیسے ہوتا کہ وہ چند ایسی چیزیں اسمگل کر کے نہیں لا سکتے تھے جو زمین پر کارآمد ہوتیں؟ آپ کو یاد ہوگا کہ وہاں ایک سانپ بھی تھا۔ ایک لچک دار مخلوق جو ایک موثر اجازت نامے کے بغیر باغ میں داخل ہو گیا تھا اور اماّں حوّا کو ثمرِ ممنوعہ کے کھانے پر اکسایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بہکائی گئی تھیں۔ قرآن میں سانپ کا ذکر ابلیس کے نام سے ہے لیکن ناموں میں کیا رکھا ہے؟ میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں یہ ہے کہ یہ غیر قانونی حرکات، موثر اجازت نامے کے بغیر داخل ہونا، بہکانا، چیزوں کا اسمگل کرنا، ہماری پیدائش ہی سے ساتھ

اور اس نے کہا

"مجھے سانپ نے بہکایا تو میں کیا کرسکتی تھی"

ہیں۔ ہم ابتدا ہی سے رکاوٹوں سے دوچار کئے گئے اور بہکائے گئے ہیں۔ کبھی ایک سانپ کے ذریعے، کبھی دوسرے سانپ کے ذریعے۔ جناب، آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں آپ پر انجیل

کیوں ٹھونس رہا ہوں؟ جناب میں بار ایسوسی ایشنوں اور مارشل لاء کا شجرۂ نسب جاننا چاہتا تھا۔ میں نے "شجرہ" نامی موسیٰ کی پہلی کتاب پڑھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم تک خیر و شر کا علم دورِ جدید میں اسمبلیوں کے مرتب کردہ قوانین کے ذریعے پہنچتا ہے، کیونکہ یہ ایک قانون دان کے مطالعے کا خصوصی موضوع ہیں، مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو اس ناگزیر استخراج پر مبارک باد دوں، جیسے دن کے بعد رات آتی ہے جیسا کہ مسٹر بروہی کہتے ہیں، شیکسپیئر نے بھی یہی کہا تھا۔ کہ اب بار ایسوسی ایشن خیر" اور شر کے علم کا شجر ہے۔" اور بزرگوں سے قطع نظر یہ زبردست خراجِ تحسین ہے۔ چلئے میں آپ کو اس خراجِ تحسین سے لطف اندوز ہونے کے لئے چند سیکنڈ دیتا ہوں، اس سے پہلے کہ میں آپ کو کچھ کم خوشگوار صداقت یاد دلاؤں کہ خدا نے شجرِ علم کا پھل کھانے سے منع کیا تھا۔ اللہ نے کہا "درخت کے قریب مت جاؤ۔" بار ایسوسی ایشن کے قریب مت جاؤ، مارشل لاء اتھارٹی کہتی ہے، یا کم از کم آپ کے اس سے زیادہ قریب جانے کو پسند نہیں کرتی۔ گجرات کے شرارت پسند پچھلے پانیوں میں ایک بار ایسوسی ایشن نے یہ قرارداد پاس کی، ایک مارشل لاء مقدمے کی سماعت کے موقع پر صدر کو یہ محسوس کرایا گیا وہ سانپ ہے۔ اس نے بالکل یہی الفاظ استعمال نہیں کئے۔ لیکن میں اس وقت کی طرف لوٹتا ہوں جب کہیں روشنی نہ تھی اور خدا نے کہا روشنی ہو جائے، اور اصل بات یہ ہے کہ اس نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔ اس لئے آپ بھی میرے ساتھ اس بنیادی جمہوریت کی طرف لوٹیں جو جنت میں تھی۔ وہاں آدم تھے۔ ایک سادہ آدمی جو برہنہ تھے لیکن پھل چکھنے سے پہلے یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ برہنہ ہیں؛ وہاں حوّا تھیں۔ جو ان کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں جنہیں وہ "میری ہڈیوں کی ہڈی اور میرے گوشت کا گوشت" کہتے تھے۔" اسے عورت پکارا جائے گا کیونکہ اسے آدمی سے لیا گیا ہے۔" (یہ تقریر انگریزی میں کی گئی تھی۔ یہاں MAN اور WOMAN استعمال ہوتے تھے جن میں MAN مشترک ہے۔ مترجم)۔ کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا ہے؟ اگر آپ WOMAN کے پہلے جز کو کھینچیں تو آدمی کا دکھ (WOE) بن جاتا ہے، اور وہ آدمی کا دکھ بن گئی جب اس نے اسے پھل کھانے پر آمادہ کیا۔ لیکن

جب خدا نے اس سے سوال کیا کہ آیا اس نے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھایا ہے تو وہ اپنی ہڈیوں کی ہڈی اور گوشت کے گوشت کو بھول گیا اور فوری اعتراف کر لیا "عورت جسے آپ نے میرے ساتھ رہنے کے لئے مجھے دیا تھا۔ اس نے مجھے پھل دیا اور میں نے کھا لیا" یہ "عورت" کہنے کے مترادف تھا۔ تب خدا نے عورت سے کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ اور اس نے کہا کہ اسے سانپ نے بہکایا تھا۔

لیکن سانپ سے مزید کوئی سوال کئے بغیر خدا نے اس پر عذاب نازل کیا کہ وہ ساری زندگی پیٹ کے بل رینگتا اور خاک پھانکتا رہے۔ اور اس کے اور عورت کے درمیان دشمنی رہے اور اس کے (سانپ کے) تخم اور اس کے (عورت کے) تخم کے درمیان دشمنی رہے۔ مگر اس بدنصیب عذاب کی اصل جڑ یہ تھی کہ عورت کا تخم "تمہارا سر کچلے گا اور تم اس کی ایڑی میں ڈسو گے"۔

جس مناسبت سے سول سائیڈ یا ملٹری سائیڈ پر اسمگل شدہ سامان آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہو۔ اسی مناسبت سے تم سول یا فوجی شوہر رکھو گی؟ جناب میں خود تھوڑی بہت اسمگلنگ کی حوصلہ شکنی نہیں کرتا لیکن یہ صرف سگریٹوں کے سلسلے میں ہے اور چونکہ میری بیوی سگریٹ نہیں پیتیں اس لئے حوا کا عذاب مجھ پر نازل نہیں ہوا۔ یقیناً یہی سگریٹ میرے ذہن میں رہے ہوں گے جب حال ہی میں کسٹم کے ایک مقدمے میں میں نے فیصلہ دیا کہ "بعض حالات میں اس مفروضے سے قطع نظر کہ وہ اسمگل شدہ اشیا ہیں، صرف اسمگل شدہ اشیا کا قبضے میں ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ میں نے ان پر تصرف اس نیت سے حاصل کیا ہے کہ ریاست کو ڈیوٹی کے سلسلے میں فریب دوں۔ میں کسی فرد کو دھوکہ دینے کی نیت نہیں رکھتا۔ میں صرف ۳ سگریٹ روزانہ کا طالب ہوں۔ ایسے برانڈ کے سگریٹ جو میرا حلق نہ جلائیں، اور اگر وہ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ سگریٹ پاکستان انٹرنیشنل

یہی وجہ ہے کہ میں اقتدارِ اعلیٰ سے ڈرتا ہوں

اب یہ چھوٹا سا واقعہ عورت کے تخم پر دور رس نتائج کا حامل تھا۔ عورت سے خدا نے کہا "میں تمہارے دکھ اور تمہاری قوتِ تخیل میں (یا قوتِ تخلیق میں۔ مترجم) بے پناہ اضافہ کر دوں گا۔ اور تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے شوہر حکمرانی کریں گے" یہ ایک سادہ حکم تھا لیکن آپ اس فرد سے کیا توقع کرتے ہیں جو پسلی سے پیدا ہوا ہو؟ اس نے اسے ایک تیز دھار دی ہے اور اس کا مطلب یہ نکالتی ہے "میں تمہارے دکھ اور قوتِ تخیل (یا قوتِ تخلیق۔ مترجم) میں بے پناہ اضافہ کر دوں گا اور تمہارے بطن سے ڈھیر ساری بار ایسوسی ایشنیں اور مارشل لاء ضابطے پیدا کروں گا اور تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے شوہر کی برائے نام حکمرانی رہے گی لیکن تم اسے گھر سے باہر نکل جانے کا حکم دو گی اگر وہ تمہارے لئے کوئٹہ سے آگے سے یا لنڈی کوتل یا لسبیلہ سے جارجٹ اور مخمل اسمگل کر کے نہ لائے اور تم برسرِ روزگار آدمی کا اس وقت تک دکھ بنی رہو گی جب تک کہ اسکرین آؤٹ نہیں کر دیا جاتا

ایئر لائنز نے فراہم کئے ہیں تو میں مزید سوالات نہیں کرتا۔ آدم نے حوا سے مزید سوالات نہیں کئے تھے، اور حوا نے بھی سانپ کے ان الفاظ پر اعتبار کر لیا تھا کہ سگریٹیں ٹھیک ہیں۔

اب مقدمے کا دوسرا پہلو لیجئے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ گو کہ اللہ کو علم تھا کہ آدم اور حوا نے کیا کیا ہے، اس نے ان سے سوالات کئے اور انہیں جلاوطنی کی سزا دینے سے پہلے وضاحت کا موقعہ دیا۔ دو صدی پہلے ایک انگریز جج نے نشاندہی کی اس مقدمے میں جس میں کیمبرج یونیورسٹی کے چانسلر نے کورٹ کے ایک ممبر کو اسے سنے بغیر خارج کر دیا تھا، کہ خدا نے بھی آدم اور حوا کو اظہارِ وجوہ کا ایک موقعہ دیا تھا لیکن حکومت کی جانب سے بعض اوقات ہم سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے بھی مجوزہ اقدام کو ظاہر نہیں کیا تھا اور اس حد تک کہ ہمارے جدید دستور میں جو شرط رکھی گئی ہے کہ ایسے کسی اقدام سے پہلے اس کے بارے میں بتلانا چاہئے آفاقی دستور اور اس دستور

میں ظاہر کردہ بنیادی حقوق سے ماورا اور غیر آئینی ہے

بات صرف اتنی ہی نہیں ہے اس دلیل کہ مجوزہ اقدام آدم اور ان کی بیوی پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا کے جواب میں ایک مختصر جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ ایسا معاملہ نہیں تھا جس کا تعلق عدن میں ملازمتوں سے ہو۔ یہ "سرشتہ داری" میں ایک سیدھا سادہ مقدمہ تھا۔ اور گو کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ اللہ کے اقدام کی حمایت میں ہو گا اس بنیاد پر کہ یہ انتظامی معاملہ تھا جس کا فیصلہ جنت کی ریاست کی حیثیت سے مطابق کیا جاسکتا ہے، اللہ کا اپنا یہ خیال نہیں تھا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ جلاوطنی کی اس یکطرفہ سزا سے شخص اقتدار اعلیٰ کا نظریہ اخذ کر سکتا ہے لیکن بصد احترام، یہ طرز فکر درست نہیں ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ میں شرکت کے بارے میں اللہ بہت حاسد رہا ہے۔ اور اسی وجہ سے مسلمان کہتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ ہے۔

جناب والا میرے پچھلے جملے سے آپ نے یہ بات نوٹ کی ہو گی کہ میں اقتدار اعلیٰ کے معاملے میں جذباتی ہو رہا ہوں۔ اس لئے آپ میری شکستہ ذہنی کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جب میں آپ سے یہ کہوں کہ میں سپریم کورٹ کے متعین کردہ قوانین اور اللہ کے اقتدار اعلیٰ کے سوا کسی اور اقتدار کے لئے میری سخت ناپسندیدگی کے درمیان پھینک دیا گیا ہوں۔ مجھے جس بات کا خوف ہے یہ ہے کہ اگر یہ خیال مارشل لاء اتھارٹیز پر بھی غالب آجائے تو پھر آپ یقیناً جسمانی اور روحانی طور پر مردود ٹھہریں گے جناب صدر، صرف آپ نہیں سپریم کورٹ اور مارشل لاء اتھارٹیز سمیت، ہم سب۔ خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا ہے۔ اگر میں کسی ایک فرد کو کھلے عام خراجِ تحسین پیش کر سکتا تو اس کے لئے یہ موزوں موقعہ تھا۔ مگر آپ میں سے اکثر حضرات جانتے ہیں، کہ خراجِ تحسین کسے پیش کیا جانا چاہئے۔

اب مملکت عدن کی طرف لوٹیں۔ سزا کے فیصلے تک پہنچنے میں رب العالمین نے جو طریقہ کار اختیار کیا تھا اس کا ایک اور دور رس نتیجہ مرتب ہوا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جس وقت آدم اور ان کی بیوی سے پوچھا گیا کہ انہوں نے نافرمانی کیوں کی؟ تو سانپ سے نہیں پوچھا گیا تھا۔ اور اسے ساری زندگی پیٹ کے بل رینگنے اور خاک پھانکنے کی سزا دی گئی، اور فیصلہ ہوا کہ وہ آدمی سے اپنا سر کچلواتے اور اپنی باری پر

آدمی کی ایڑھی ڈس لے، جناب، میں اس بات کو ترجیح دیتا کہ وہ اپنے پیروں سے چل کر آتے، بہ نسبت اس کے کہ گھاس میں رینگتے اور کسی کو نظر نہ آتے۔ کیونکہ صرف ۳ ہفتے قبل جب کہ میں اپنے آبائی گاؤں میں ایک کھیت سے گزر رہا تھا اور میرا پاؤں گھاس میں ایک سانپ پر پڑا۔ اور اللہ کے کہے ہوئے کی تکمیل کے لئے مجھ پر جھپٹا اور آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں اپنی ایڑھی جلد کی وجہ سے بچ گیا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اگر میں نے خدا کے فرمان کی تکمیل میں پہل کی ہوتی اور اس کا سر کچل دیا ہوتا تو اسے یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ میری ایڑھی کو ڈس لے۔ اور یہ کہ مجھے اس کے سر کے سوا جسم کے کسی اور حصے پر پیر نہیں رکھنا چاہیئے تھا لیکن مجھے کیسے پتہ ہوتا کہ گھاس میں سانپ تھا۔ کیونکہ وہ رینگتا ہے؟ جناب، جب آپ وزیر اعظم تھے (چندریگر) کیا آپ کو پتہ تھا کہ گھاس میں سانپ ہیں، اور کیا میں آپ کو میری طرح ایڑھی کی وجہ سے بچ جانے پر مبارکباد پیش کردوں؟ دریں اثنا مجھے اپنی ایڑھی کو ٹھنڈا کرنا چاہیئے۔ جیسے کہ آپ کر رہے ہیں، میرا مطلب اگر آپ کر رہے ہوں خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ ہر چیز گھسی پٹی ہے۔

اب میں ایک بار پھر اصل موضوع سے ہٹ کر ذاتی معاملات پر آگیا ہوں۔ میں یہ نشاندہی کر رہا تھا کہ سانپ کو اپنے رویئے کی وضاحت کا موقع دیئے بغیر سزا دے دی گئی تھی۔ جناب، ہمارے امتناعی قوانین اور سیکیورٹی آف پاکستان ایکٹ کی اساس یہی ہے اس لئے مسٹر بختیار یہ شکایت نہیں کر سکتے کہ ایسے وقت میں جب کہ بعض اوقات ایک سانپ پاکستان کی سرحدوں پر پیٹ کے بل رینگ رہا ہے، مسٹر بختیار کو خاص طور پر قلات سیفٹی ایکٹ سے دلچسپی ہے انہیں بغیر سماعت کے نظر بند کر دیا جانا چاہیئے۔ اس کے ساتھ سانپ سے بہت بہتر سلوک کیا جا رہا ہے۔ گو کہ وہ اصلی سانپ ہے، میرا مطلب ہے قیدی، مسٹر بختیار نہیں۔ اور وہ اپنی ساری زندگی خاک نہیں پھانکتا۔ وہ اپنے جیلر کی عنایت سے پیسٹری کھاتا ہے اور آزادی فکر پر میری تقریروں سمیت اخبار پڑھتا ہے۔ اور وہ اپنی نظر بندی سے مجھے لکھتا ہے کہ درحقیقت ان تقریروں کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔ پھر وہ بعض اوقات بڑے کاروباری کا روپ

عدلیہ کی آزادی کا خیال برطانوی نظام کے ذریعے اسمگل ہوا ہے

دھارتا ہے، گو کہ وہ ایک سانپ ہے، اور اعلیٰ قسم کی بروکیڈ کے تھان لے کر اس سرکاری افسر کی بیوی کے پاس جاتا ہے جو لائسنسوں کا انچارج ہے یا اس عدالتی افسر کی بیوی کے پاس جاتا ہے جو کسی تجارتی مقدمے کی سماعت کر رہا ہو۔ یوں گھوم پھر کر یہ وہی ازلی مثلث ہے۔ لیکن اس ازدواجی مثلث سے مختلف مثلث جس میں ایک شوہر، ایک بیوی اور ایک عاشق ہوتے ہیں۔ اس میں کم از کم رومانیت کی خوبی تو ہوتی ہے لیکن یہ ایک کمینہ قسم کا مثلث ہے، آدمی، عورت اور سانپ، سانپ بہکاتا ہے، عورت اجازت دیتی ہے کہ اسے بہکایا جائے اور آدمی بہکایا جاتا ہے۔ عورت کا یہ سادہ سا جواب کہ اسے سانپ نے بہکایا تھا، فاقہ زدہ نسلوں کی تاریخ میں خود کو بارہا دہراتا رہا ہے۔ سیموئیل پیپی کی ڈائری دیکھئے۔ مسز پیپی رقابت میں شعلہ بنی ہوئی اپنے شوہر کی تلاش میں ایک عورت کے گھر میں گھس گئیں۔ اتفاق یہ کہ خوشدل بادشاہ چارلس بھی اس عورت کے گھر آتے جاتے کے عادی تھے۔ جب بادشاہ چارلس آئے تو اس نے مسٹر پیپی کو ایک بڑے صندوق میں چھپا دیا اور خود اس پر بیٹھ گئی اور بادشاہ چارلس بھی اس کے ساتھ صندوق پر بیٹھ گئے۔ تب مسز پیپی داخل ہوئیں۔ جو آواز وہ پیدا کر رہی تھیں اسے سن کر اس خاتون نے بادشاہ چارلس کو

موثر قوانین اگر زیادہ عرصے جاری رہیں تو عام قانون بن جاتے ہیں

پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ "کہاں ہے میرا شوہر—؟" غضب ناک مسز پیپی چلائیں۔ "اسے تلاش کر لو۔" چالاک خاتون نے کہا اور مسز پیپی نے پردے کو ایک طرف گھسیٹ لیا اور بادشاہ چارلس کو بھرپور فتحمندی سے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ بادشاہ کی موجودگی میں مسز پیپی اپنے شوہر کو بھول گئیں، اس کی داشتہ کو بھول گئیں اور وہ جذبات کی ایسی لہر میں آئیں کہ اسی صندوق پر بادشاہ کے ساتھ بیٹھ گئیں اور نرم و نازک گفتگو میں مشغول ہوگئیں۔ بادشاہ نے ان کا بوسہ بھی لیا اور انہوں نے قہقہہ لگایا۔ تب وہ چلی گئیں، بادشاہ سلامت بھی چلے گئے اور مسٹر پیپی صندوق سے باہر آئے، ان کی داشتہ مسکرائی اور وہ چلے گئے۔ لیکن اپنے گھر میں انہوں نے اپنی بیوی کو بادشاہ کو یاد کرتے ہوئے پایا۔ بیوی نے کہا "کیا آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کو اس عورت کے گھر میں تلاش کر رہی تھی، اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میری ملاقات کس سے ہوئی؟ بادشاہ سے۔" مسٹر پیپی نے غمگین ہو کر کہا "آپ کو کیسے پتہ چلا؟" مسٹر پیپی نے کہا "میں اس صندوق کے اندر تھا جس پر تم بادشاہ کے ساتھ بیٹھی تھیں۔" "تو تم چھپے ہوئے تھے" وہ غضب ناک ہوگئی۔ "ہاں، اور اس نے تمہارا بوسہ بھی لیا تھا۔" مسٹر پیپی نے دکھ کے ساتھ یاد دلایا۔ تب مسز پیپی نے بادشاہوں کے آسمانی حقوق کا سہارا لیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں اقتدار اعلیٰ سے ڈرتا ہوں ان کے گناہ تک بھی خوشگوار رومان ہیں۔ جن سے زمین کے پیپی صنف نازک کی صحبت میں لطف اندوز اور صنف قوی کی صحبت میں آزردہ ہوتے ہیں لیکن یہ آزردگی اتنی تلخ نہیں ہوتی اور مسز پیپی نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا "اس نے صرف میرا بوسہ لیا۔ میں کیا کر سکتی تھی!" اور مسٹر پیپی نے کہا "لیکن تم نے قہقہہ بھی لگایا۔" اور انہوں نے بڑی معصومیت سے کہا "اس نے مجھے گدگدایا تھا۔ تو میں کیا کر سکتی تھی؟"

اور اس نے خدا سے کہا "مجھے سانپ نے بہکایا تو میں کیا کر سکتی تھی؟"

آئیے اب جنت کو اس کے حال پر چھوڑیں اور دنیاوی حقیقتوں کی طرف آئیں۔ میں "اوڈے ٹو اسکائی لارک" میں ورڈسورتھ کے اس اظہار پر صرف تجربہ کر رہا تھا کہ آسمان کی گہرائیوں پر فتح پانے کے بعد وہ

(باقی صـ۳۷ پر)

ایرانی عوام کا
حمایت میں جلوس

انہیں ٹیلیویژن اور ریڈیو پر لایا جائے جنھیں سیاسی وجوہ پر کوڑے مارے گئے ہیں

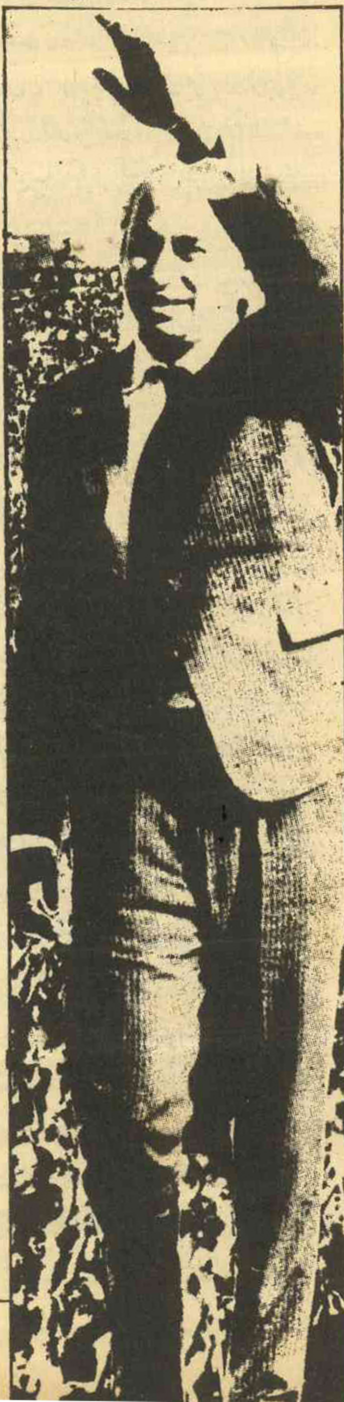

موجودہ دور میں تشدد اتنا ہوا کہ پاکستان کی اقوام عالم میں رسوائی ہوئی

سرحد میں بھٹو کی ۵۱ ویں سالگرہ

خلیل خان خٹک

پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے صوبہ سرحد کے طول وعرض میں چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی ۵۱ ویں سالگرہ بحالی جمہوریت کیلئے ہر ممکن قربانی دینے کے عزم نو کے ساتھ انتہائی جوش وخروش سے منائی۔ اس موقع پر پشاور۔ چارسدہ۔ مردان۔ سنگورہ۔ کوہاٹ بنوں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ ہری پور۔ حویلیاں اور دوسرے شہروں میں پارٹی ورکروں کے بڑے بڑے اجتماعات منعقد ہوئے جن میں جناب بھٹو کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

پشاور میں کارکنوں کا اجتماع نثار محمد خان ایڈوکیٹ کی رہائش گاہ واقع زریاب کالونی میں منعقد ہوا۔ صوبائی صدر آفتاب شیرپاؤ کی عدم موجودگی میں جو پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے اسلام آباد گئے ہوئے تھے، پشاور سٹی پی پی پی کے صدر مسٹر سعادت حسین ایڈووکیٹ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ اس اجلاس کی ایک خاص بات اس میں پارٹی کے ایک ممتاز رہنما اور مشہور لیبر لیڈر قاضی محمد نواز ایڈوکیٹ کی شرکت تھی جنہیں راولپنڈی میں نام نہاد بم کیس میں فوجی عدالت سے ایک سال قید سخت کی سزا دی گئی تھی۔ وہ اپنی سزا پوری کرنے کے بعد ۲۸ دسمبر کو سنٹرل جیل پشاور سے رہا ہوئے ہیں۔ قاضی انور کی آمد نے ورکروں میں جوش وولولہ کی نئی لہر دوڑا دی۔ کارکنوں نے چیئرمین بھٹو زندہ باد۔ قائد عوام زندہ باد اور اور جیوے بھٹو کے نعروں کی گونج میں ان کا خیر مقدم کیا۔ پیپلز پارٹی کے کئی دوسرے ایسے سرگرم کارکن بھی اجلاس میں موجود تھے جو چند دن پہلے ہی مختلف میعاد کی قید کی سزائیں بھگتنے کے بعد پشاور اور ہری پور کی جیلوں سے رہا ہوئے ہیں۔ ان میں پارٹی کے سٹی جنرل سیکرٹری مسٹر سعید احمد خان۔ قمر عباس ایڈووکیٹ۔ حمید اللہ مجاہد ایڈووکیٹ اور ممتاز طالب علم رہنما خورشید محمد خان قابل ذکر ہیں۔ اجلاس میں گرماگرم تقریریں ہوئیں اور مختلف لیڈروں نے ملکی حالات۔ پاکستان کے گرد وپیش کی صورتحال۔ ایران کے واقعات۔ جیلوں میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں پر مظالم۔ صوبہ سرحد میں انتظامیہ کے ایما پر مزدوروں کی چھانٹیوں اور مزارعین کی بیدخلیوں، اور تعلیمی اداروں میں ایک خاص سیاسی پارٹی کے پروردہ غنڈوں کی ہڑبونگ کے بارے میں کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مقررین نے ریڈیو اور ٹی وی سے "ظلم کی داستانیں" پروگرام شروع کرنے کی شدید مذمت کی اور اسے سپریم کورٹ کے متوقع فیصلے پر اثر انداز ہونے کی کوشش قرار دیا۔

پاڑہ چنار میں مولانا شیخ علی مدد ایرانی عوام کی حمایت میں جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے ہیں۔

مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ فوجی حکومت کے دور میں پیپلز پارٹی کے جن کارکنوں پر محض جمہوریت کا نام لینے کے جرم میں کوڑے برسائے گئے ہیں. فوجی حکومت کے "دلائی کیمپوں" میں جمہوریت پسند محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں اور طلباء پر جو مظالم توڑے گئے ہیں. آزادی صحافت کا نام لینے پر محب وطن صحافیوں اور اخباری کارکنوں کو مختلف ٹارچر سیلوں، پولیس تھانوں، سی آئی اے اور ایف آئی اے کے مرکزوں، بدنام زمانہ شاہی قلعہ لاہور اور مالاکنڈ میں جس بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے اور دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ لاہور میں جن صحافیوں کو کوڑے لگا کر اقوام عالم کی برادری میں پاکستان کی رسوائی کا سامان پیدا کیا گیا ہے انہیں بھی ریڈیو اور ٹی وی پر پیش ہو کر ظلم کی داستانیں سنانے کا موقع دیا جائے مقررین نے جمہوریت کے لئے قربانیاں پیش کرنے والے پیپلز پارٹی کے جیالے کارکنوں اور محب وطن مزدوروں، کسانوں، محنت کشوں اور طلباء کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

منگورہ (سوات) میں ۵ جنوری کو چیئرمین بھٹو کا یوم ولادت منانے کے لئے پرائم منسٹر ہاؤس کے سابق افسر بکار خاص محبوب الرحمٰن کی رہائش گاہ پر کارکنوں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں قرآن خوانی ہوئی اور ڈاکٹر محبوب الرحمٰن۔ صوبہ سرحد کے سابق وزیر خوراک مسٹر دوست محمد خان۔ پی پی پی ضلع سوات کے جنرل سیکریٹری مسٹر محمد عثمان اور حاجی فرید خان سمیت کئی مقررین نے خطاب کیا۔ مقررین نے قائد عوام کو خراج تحسین پیش کیا۔ اجلاس میں متعدد قرار دادیں منظور کی گئیں جن میں ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کو نہ چھیڑنے، ریڈیو، ٹی وی سے پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی کردار کشی کی یکطرفہ مہم بند کرنے۔ صوبائی اور بلدیاتی اداروں میں نامزدگیاں کرنے کے بجائے ۲۰ مارچ تک عام انتخابات کرانے کے لئے انتخابات کی قطعی تاریخ کا فوری اعلان کرنے۔ گرانی، چھانٹیاں اور بیدخلیاں روکنے کیلئے موثر اقدامات اور تمام سیاسی کارکنوں، مزدوروں، کسانوں اور طلباء کو رہا کرنے اور ان کے خلاف مقدمات واپس لینے کے مطالبات کئے گئے۔ اجلاس میں بے نظیر بھٹو کی نظر بندی میں مزید تین ماہ کی توسیع کی مذمت کی گئی اور انہیں فی الفور رہا کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔

بنوں میں ضلعی پی پی پی کے جنرل سیکریٹری اور نوجوان سیاسی رہنما مسٹر سلیم ولی خان ایڈوکیٹ کی رہائش گاہ پر منعقدہ جلسہ میں کارکنوں نے چیئرمین بھٹو کو خراج تحسین پیش کیا۔ مقررین نے کہا کہ موجودہ حالات میں جبکہ پاکستان خوفناک بحران کا شکار ہے اور ایک مہیب طوفان کے سائے ملک پر منڈلا رہے ہیں۔ صرف چیئرمین بھٹو ہی پاکستان کی سالمیت اور استحکام کی ضمانت دے سکتے ہیں

ہزارہ ڈویژن میں ہری پور شہر۔ کھلابٹ ٹاؤن شپ، ٹی اینڈ ٹی کالونی۔ حویلیاں اور مانسہرہ میں بھی چیئرمین بھٹو کی سالگرہ کی تقریبات غیر معمولی جوش و خروش کے ساتھ منائی گئیں۔ ہری پور شہر میں جہاں سالگرہ کا اہتمام اورنگزیب خان قریشی نے کیا تھا۔ تقریبات کی خاص بات یہ تھی کہ ایک پارٹی ورکر عبدالصمد جاوید ملک نے ایک بڑا کیک بنوایا تھا جو ایک کمسن بچے نے کاٹا اور وہاں موجود تمام لوگوں کو کھلایا گیا۔ اس موقع پر اجلاس سے دوسروں کے علاوہ اورنگ زیب خان قریشی، گلزار خان اعوان اور محمد اسلم اعوان نے خطاب کیا۔ اجلاس میں ملک و قوم کی خاطر کارکنوں نے پارٹی ہائی کمان کے ادنیٰ اشارے پر تن من دھن کی قربانی دینے کا عہد کیا۔

پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے جناب بھٹو کی سالگرہ منانے کے لئے اپنے صوبائی دفتر واقع پشاور صدر اور یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے صدر عبداللہ یوسف زئی اور جنرل سیکریٹری حبیب الرحمٰن حبیب۔ پی ایس ایف کے وائس چیئرمین ایوب شاہ، صوبائی سیکریٹری اطلاعات عثمان علی عثمان، ایڈورڈز کالج اسٹوڈنٹس یونین کے صدر اور مشہور شاعر احمد فراز کے بیٹے شبلی فراز، گورنمنٹ کالج پشاور اسٹوڈنٹس یونین کے جائنٹ سیکریٹری نیاز عادل کے علاوہ پیر محمد اور شہنشاہ نے خطاب کیا۔ طلباء نے اپنے اجتماعات میں اس عزم کی تجدید کی کہ وہ قائد عوام کی قیادت میں جمہوریت کی بحالی اور ایک ترقی پسند خوشحال معاشرے کے قیام کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے اور ملک و قوم کے خلاف سامراج اور سامراج کے گماشتوں کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ مقررین نے طلباء پر جھوٹے مقدمات قائم کرنے، انہیں جیلوں میں ٹھونسنے، بھاری جرمانوں کی سزائیں دینے اور کوڑے مارنے کی مذمت کی۔ طالب علم مقررین نے مطالبہ کیا کہ ریڈیو اور ٹی وی پر عوامی دور کے نام نہاد ظلم کی من گھڑت داستانیں سنوانے کے بجائے ان نوجوانوں کو ٹی وی پر پیش کیا جائے جنہیں کسی جرم کے بغیر پندرہ پندرہ کوڑے مارے گئے اور جن کے جسموں کو جلتے ہوئے سگرٹوں اور تپتی ہوئی آہنی سلاخوں سے داغا گیا۔ ملتان اور خضدار کے وہ مناظر بھی ٹی وی پر دکھائے جائیں جب مزدوروں اور کسانوں کو گولیوں سے چھلنی کیا گیا۔ مالاکنڈ میں ترقی پسند کارکنوں پر جو ظلم ڈھایا گیا ہے اسے بھی بے نقاب کرنے کا موقع دیا جائے۔

صوبہ سرحد میں اس ہفتے کے دوسرے اہم واقعات میں کرم ایجنسی کے صدر مقام پاڑہ چنار میں شہنشاہ ایران کے خلاف اور شیعہ مذہبی رہنما علامہ آیت اللہ روح اللہ موسوی خمینی کی حمایت میں نکالا جانے والا ایک بڑا جلوس شامل ہے۔ یہ جلوس جس میں کم و بیش تیس ہزار افراد نے شرکت کی تنظیم المومنین اور امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کرم ایجنسی کے زیر اہتمام نکالا گیا۔ جلوس مرکزی امام باڑہ سے نکلا۔ جلوس کے شرکا جو ہاتھوں میں "قائد مسلمین آیت اللہ خمینی زندہ باد" "ہم ایران کے عظیم عوام کی قربانیوں کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں" اور دوسرے نعروں پر مشتمل بینر اور آیت اللہ خمینی کی تصویریں اٹھائے ہوئے تھے۔ مختلف بازاروں سے ہوتے ہوئے حیات پارک پہنچے جہاں ایک جلسہ ہوا جس میں ایران میں شہنشاہ کے خلاف تحریک کی مکمل حمایت کی گئی۔ جلسہ سے ممتاز شیعہ علماء مولانا سید عارف حسین اور مولانا شیخ علی مدد نے خطاب کیا۔ شرکاء جلوس جلسہ کے بعد واپس امام باڑہ پہنچے جہاں شہدائے ایران کی بلندیٔ درجات کے لئے مجلس ترحیم پڑھی گئی۔

**

میلی کچیلی عورتوں کے علاج سے ڈاکٹر کا انکار

کشمیریوں کی کمائی سے کشمیر کو محروم رکھا جا رہا ہے

سید نذیر گیلانی

جدید تحقیق نے ہماری معلومات میں ایک حیرت انگیز اضافہ کیا ہے۔ اس تحقیق کے مطابق ہر پانچ سال کے بعد انسان کا علم دوگنا ہو جاتا ہے۔ سہولت کے لئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ۱۹۷۱ء میں پاکستانی منڈیوں میں دس من علم تھا، یہ علم اس تحقیق کے مطابق ۱۹۷۶ء میں بیس من اور ۱۹۸۱ء میں چالیس من ہو جائے گا یعنی ایوب خان مرحوم کے زمانے کا پاکستانی، یحییٰ خان کے زمانے کے پاکستانی سے مختلف اور بھٹو صاحب کے وقت کا پاکستانی سابقہ ادوار کے پاکستانیوں سے بالکل مختلف تھا اور اب جنرل محمد ضیاء الحق کے وقت کا پاکستانی قوت، مدافعت اور انداز فکر کے لحاظ سے بالکل سپر قسم کا انسان ثابت ہو تا کوئی حیرت نہیں بلکہ انسان کی سوچ کا پنڈورا بکس اب بالکل بھرا پڑا ہے۔ اس بدلتی دنیا میں جہاں علم و آگہی ہر پانچ سال بعد دوگنی ہوتی جا رہی ہے، اس تحقیق کی اگر کسی علاقے میں نفی یا تردید کی جائے تو وہ آزاد کشمیر کا علاقہ ہے۔ اس علاقے کی بعض من چلے تجربات اور حقائق کی روشنی میں، جب غیر جانبدار تشریح کرتے ہیں تو اسے "عذاب کشمیر" کہتے ہیں۔ حقیقت کچھ یوں ہی ہے۔ آزاد کشمیر اگرچہ ریاست جموں و کشمیر کا ایک حصہ ہے مگر عارضی جنگ بندی لائن کے اس پار سے آنے والوں کو کبھی مہاجر اور کبھی جاسوس قرار دیا جاتا رہا ہے حتیٰ کہ سری نگر ہائیکورٹ نے حال ہی میں وہاں سے بھاگ آنے والے ایک کشمیری کی جائیداد کو سرکاری تحویل میں لینے کی اجازت نہیں دی اور فیصلے میں لکھا ہے کہ مظفر آباد کشمیر کا ایک حصہ ہے اس لئے سری نگر سے مظفر آباد بھاگ جانا کوئی جرم نہیں اور فیصلہ سری نگر سے چلے آنے والے کشمیری کی بیوی کے حق میں ہوا۔ اس کے برعکس آزاد کشمیر کے علاقے میں اپنی ہی ریاست کا باشندہ مہاجر قرار دیا جاتا ہے اور اگر یہاں کا انصاف منیڈیک کی طرح ہائیبرنیشن کی گرفت میں ہو تو کشمیری غیر پسندیدہ شخصیات کی فہرست میں آتا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود کشمیریوں کی سوچ کا پنڈورا بکس بھرتا جا رہا ہے جب کبھی بھی اس کا ڈھکن سرک گیا جہلم میں ایک ارتعاش، ایک طوفان اور پُر خطر طغیان جوش مارتا آگے بڑھے گا۔ جہلم کے سینے پہ تیرتی ہر گندگی، تمام غلاظت مجسم ندامت بنی جہلم کے پاؤں میں سجدہ ریز ہو گی۔ میں نے عوامی سوچ کے اس پنڈورا بکس کو کریدنے کا ایک پروگرام طے کیا ہے اور آج کی محفل میں ایک نوجوان کشمیری سوچ کے اس پنڈورا بکس سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں۔

سید محمود حسین گردیزی، نوجوان کشمیری ہیں۔ انہیں آپ سیاح کہیں، کیونکہ حیثیتاً انہوں نے برسوں تک کی۔ اگر سفیر کہیں تو سفارت کاری کا کام غیر سرکاری طور پر ملی جذبے کے تحت انجام دیتے رہے اور اگر سیاستدان کہیں تو اب انہوں نے سیاست کاری کے لئے لنگر لنگوٹ کس لیا ہے۔ اب انہوں نے آزاد کشمیر کے سرکاری، نیم سرکاری اور قبیلائی سیاستدانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان کی سوچ کا پنڈورا بکس جب ہم نے کھولنے کی اجازت مانگی تو حقائق سوچ کے تہہ خانوں سے گزر کر زباں پہ کچھ یوں آئے۔

الفتح کا پرچہ دینے کے لئے شکریہ۔ دراصل میں ۱۹۷۱ء کو پاکستان سے غیر قانونی طور پر، چار ماہ پیدل چل کر ایک لانچ کے ذریعے دوبئی پہنچ گیا۔ پاکستان میں پاسپورٹ کی سہولت پہ پابندی تھی ہمارا گروپ بغیر پاسپورٹ سمندر کے سینے پہ سوار ہوا۔ میں پاسپورٹ کسی بھی قیمت پہ حاصل کرنے کے لئے تیار تھا۔ خاندانی تعلقات کی بنیاد پہ میں مشکل سے مشکل کام کرا سکتا تھا مگر میں پاسپورٹ حاصل نہ کر سکا۔ یہاں کی سیاسی سوچ "غیر پیداواری" تھی مگر بھٹو صاحب نے آتے ہی پہلی فرصت میں پاسپورٹ کی سہولت عام کر دی یہ سہولت غیر قانونی طور پہ جانے والوں کے لئے بھی تھی۔ ایک آن میں پاکستان کے لئے زرمبادلہ کمانے کی راہیں ہموار ہوئیں۔ میں پڑھا لکھا تھا، نوجوان تھا اور میرے ساتھ جانے والے تمام ساتھی میری عزت کرتے تھے۔ ہم لوگ سیاح بھی تھے، سفیر بھی اور پھر ملک کے لئے خون پسینہ ایک کر رہے تھے۔ پاکستان کے علاوہ وہاں ہندوستان کے لوگ بھی تھے۔ مجھے بحیثیت کشمیری یہ دیکھ کر حیرت ہی نہیں بلکہ افسوس ہوتا تھا کہ پاکستانی بھارتی لوگوں سے بہت جلد گھل مل جاتے تھے جبکہ ہم کشمیری بھارتی لوگوں سے پہلو بچاتے تھے، ان سے کتراتے تھے اور محسوس کرتے تھے کہ ہندوستان نے کشمیر کے ایک حصے پہ ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ باہر کی دنیا میں آزاد کشمیر کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا بلکہ ہمیں لاہور کی سربراہ کانفرنس میں کشمیر کے مسئلے کو نظر انداز کرنے اور کشمیریوں کو بحیثیت ممبر شامل کرنے پہ طعنے دیئے گئے۔ ہمیں خود بھی حیرت ہوئی۔ ہندوستان اور فلسطین کے لوگ ہمیں اکثر طعنہ دیتے تھے کہ آپ کشمیری انگریزوں کے پلیٹ فارم اقوام متحدہ سے نالاں کیوں ہیں۔ آپ کا مسلم پلیٹ فارم آپ کے معاملے پہ خاموش رہا۔ انگریز کے ایوان میں (اقوام متحدہ) دوسرے لوگ کشمیریوں کی ترجمانی کرتے ہیں آخر کشمیری خود اقوام متحدہ کے سامنے پیش کیوں نہیں ہوتے۔ پاکستان کشمیریوں کو سفارتی عہدے کیوں نہیں دیتا۔ زبانی جمع خرچ پہ کشمیری کیوں ٹرخ جاتے ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت پاکستان اب کشمیریوں کو سفارتی عہدے دے اور یہ امتیاز ختم ہو کیونکہ کشمیری سفارت کار کے دل میں وطن کا درد ہو گا وہ عیاشیوں اور خود فریبیوں سے بچنے کے لئے بھوک اور پیاس کے باوجود وطن کی خدمت میں سجدہ ریز ہو گا۔ باقی یہ انتہائی تعجب اور قابل غور مسئلہ ہے کہ کشمیری کیوں اس اہم مسئلے میں نظر انداز کئے جا رہے ہیں۔ ہم یہ حق سیاسی بنیادوں پہ نہیں بلکہ قابلیت کے معیار کے مطابق مانگتے ہیں اور یہ ہمارا اہم مطالبہ ہے۔

سوال: کیا آپ کوئی ایسی بے رخی بیان کر سکتے ہیں جس سے آپ کو احساس ہوا ہو کہ کشمیری نظر انداز کئے جا رہے ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ جب اندرا عبداللہ گٹھ جوڑ کے خلاف بھٹو صاحب نے ہڑتال کی اپیل کی تو ہم نے بھی لبیک کہا۔ بدقسمتی سے نوکر شاہی مزاج نے ہمیں مایوس کیا۔ دوبئی میں پاکستانی سفارتخانے نے گیٹ ہی بند کر دیا اور کشمیریوں کو سرے سے اندر آنے نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ سفارت کار ملک سے لاتعلق ہیں۔ حتیٰ کہ میری بات اس وقت کے وفاقی وزیر عبدالحفیظ پیرزادہ سے ہوئی۔ انہوں نے بھی میری بات سے اتفاق کیا کہ کشمیریوں کو زیادہ سے زیادہ سفارتی عہدے دیئے جائیں، مگر اب تو سچی بات کو ملک دشمن قرار دیا جاتا ہے اور آزاد کشمیر کے سیاستدان یا تو سرکاری سیاستدان ہیں یا بعض صرف برادری ازم کی آگ جلا کر دوسروں کو خوفزدہ کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کشمیریوں کی سچے دل سے رہنمائی نہیں کرتے۔ اس میں انہیں سرکاری سرپرستی کھونے کا ڈر رہتا ہے اور جو لوگ ہمت رکھتے ہیں۔ انہوں نے برادری کو سیاست کی بنیاد بنایا ہے۔ ہمارا نوجوان پریشان ہے۔ اسے اپنا آپ عذاب میں نظر آتا ہے۔ یہ سیاستدان موسم کے مطابق آزاد کشمیر کا رخ کرتے ہیں۔ سیاسی بہار ختم ہونے پہ پھر اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ سیاست کو انہوں نے ایک سائیڈ بزنس بنایا ہے۔

سوال : آزاد کشمیر کے عوام کتنا زرمبادلہ ملک میں بھیجتے ہیں۔ اس کا مصرف کہاں ہوتا ہے؟

جواب: باہر سے جو زرمبادلہ پاکستان آتا ہے اس کا ۸۰ فیصد سے ۹۰ فیصد کشمیری لوگ بھیجتے ہیں۔ پاکستان کے لوگ فرج، ٹی وی، کاریں اور اس قسم کا دوسرا آرائشی سامان، بچیوں کے جہیز کے سامان لاتے ہیں لیکن آزاد کشمیر میں اکثر مقامات پر نہ بجلی ہے اور نہ ہی سڑکیں۔ اس لئے ہمارے لوگ زرمبادلہ اس طرح ضائع نہیں کرتے بلکہ یہ رقم ہارڈ کیش کی صورت میں پاکستان بھیجتے ہیں۔ اس طرح زرمبادلہ کا بیشتر حصہ کشمیر کے لوگ بھیجتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمیں اس میں سے کچھ نہیں ملتا۔ اس کا ایک فیصد بھی نہ آزاد کشمیر کی ترقی اور نہ ہی آزادی کشمیر پر خرچ ہوتا ہے یہ سارے کا سارا گھپلا ہے اس طرف بڑے بڑے مگرمچھ کھا جاتے ہیں۔ کشمیر کے ساتھ ناانصافی کی جاتی ہے اسے جان بوجھ کر پسماندہ رکھا جا رہا ہے۔ ہمارے اس پیسے سے یہاں میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج، یونیورسٹی کھولی جانی چاہیئے تھی۔ مگر نوکر شاہی نہیں چاہتی کہ کشمیر کے لوگ ترقی کریں، ذہنی آزادی حاصل کریں۔ ہر صوبے کا اپنا میڈیکل کالج ہے، یونیورسٹی ہے۔ انجینئرنگ کالج ہیں مگر ایک کشمیر کا علاقہ ہی بدقسمت ہے جہاں کا پیسہ بھی اس پر حرام ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ زرمبادلہ کا ۹۰ فیصد آزاد کشمیر میں خرچ ہوتا کیونکہ نہ جانے کب عرب ممالک میں ترقیاتی کام مکمل ہو جائیں تو ہمارے لوگ واپس آجائیں گے۔ ضروری تھا کہ ہمارا الگ میڈیکل کالج، الگ انجینئرنگ کالج اور الگ یونیورسٹی ہوتی۔ اگر ہم بیسویں صدی میں ان پڑھ رہے تو آپ ہی بتائیں ہم کب ترقی کریں گے؟ اور پھر کشمیر کیسے آزاد ہو گا۔ اگر ہمارے خون پسینے کی کمائی کا پیسہ ہمارے بچوں اور ہماری ترقی اور بہبود پر خرچ نہ ہو تو اسے ہم استحصال کہیں گے اور حق مانگنے کے بعد اگر نہ ملے تو لوگ اسے چھیننے پر اتر آتے ہیں۔ اپنا جائز حق مانگنا جرم سمجھا جاتا ہے۔ خاص کر کشمیریوں کو حق کی آواز اٹھانے پر شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہماری پسماندگی اور تہی دستی کی انتہا دیکھئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے چودہ سال پہلے راولاکوٹ سی ایم ایچ (کمبائنڈ ملٹری ہسپتال) میں پاکستان سے ایک لیڈی ڈاکٹر گئی۔ اس نے ہماری عورتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور کھلے بندوں اعلان کیا کہ یہاں کی عورتیں گندی ہیں میلی کچیلی ہیں۔ میں ان کا علاج نہیں کروں گی۔ ہماری پسماندگی میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ ہمارے پیسے سے ڈاکٹر بنی تھی مگر ہم سے نفرت کی وجہ ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ ہماری عورتوں نے اسے پکڑ کر مارا پیٹا کیونکہ اس نے ہماری غیرت کو مجروح کیا۔ اب چودہ سال گزر گئے وہاں کوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں بھیجی گئی۔ اسے آپ انصاف کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کیسے یہ ظلم سہتے رہیں گے؟ ہم سردار ابراہیم کی طرح الگ حکومت بنانے کی دھمکی نہیں دیتے۔ میں کسی برادری کی بات نہیں کرتا بلکہ کشمیری عوام اور کشمیر کی آزادی کی بات کرتا ہوں۔ میں ہر انسان کی بات کرتا ہوں۔ ہمارے بچے اور ہماری بچیاں یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ حکومتی سطح پر ہمارے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ وہ اپنا حق مانگنے کی بات کرتے ہیں۔

سوال: اس سال تو میرا مطلب گزشتہ سال کا آزاد کشمیر کا بجٹ کافی بڑا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میرے خیال میں پاکستان ایک ہاتھ سے دیتا ہے اور دوسرے سے واپس لے لیتا ہے۔ میرا مطلب آزاد کشمیر میں ماہرین پاکستان کے ہیں، چیف سیکریٹری پاکستان کا، آئی۔ جی۔ پی پاکستانی وزارت امور کشمیر کے اہلکار ان کے اخراجات، شاہانہ ٹھاٹھ کی نذر ہمارا یہ سارا بجٹ ہو جاتا ہے۔ پھر ہمارے وزیر اور ہماری

سید محمود حسین رضوی

حکومت بے اختیار ہے۔ اگر ماہرین آزاد کشمیر کے ہوتے، وزارت امور کشمیر، چیف سیکریٹری اور دوسرے ایسے ہی شعبے اور عہدے ختم کر دیئے جائیں تب بھی مکمل انصاف نہیں ہو گا بلکہ زرمبادلہ کا بیشتر حصہ ہمیں دیا جائے۔ یہاں ترقیاتی منصوبوں کے علاوہ تحریک آزادی کے لئے مستقل طور پر کوئی اقدام کیا جائے ورنہ نئی نسل کا یہ طعنہ درست ثابت ہو گا کہ پاکستان کی حکومتیں کشمیر کے مسئلے کے ساتھ مخلص نہیں۔ یہاں کے عوامی نمائندوں کو خود مختاری رکھا جائے ان پر اعتماد کیا جائے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ کام کر سکیں۔

سوال : آپ کیا کسی ٹھوس اقدام کی نشاندہی کر سکتے ہیں؟

جواب : آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو بے شمار مشکلات کا سامنا رہتا ہے مگر پاکستان کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ سے نظریاتی تصادم کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ میں پاکستان کی حکومت اور عوام سے یہی درخواست کروں گا کہ وہ تحریک آزادی میں ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے یہ تعاون ممکن نہیں تو خدارا مخالفت بھی نہ کریں۔ اس کے علاوہ اقوام متحدہ میں زبانی جمع خرچ سے کشمیر کاز کو فائدے کی جگہ نقصان ہو رہا ہے۔ ہمیں اب ساری دنیا میں رابطے کی ایک تحریک شروع کر دینی چاہیئے۔

سوال: کشمیری لیڈروں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : ہماری بدقسمتی یہی ہے اور یہ نوکر شاہی کی سازش ہے کہ آج تک پاکستان اور کشمیری عوام کو جبراً یہی تاثر دیا گیا کہ یہاں صرف چار پانچ ہی سیاستدان ہیں یعنی سردار ابراہیم، سردار عبدالقیوم، کے، ایچ خورشید وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہ صرف انتہائی غلط سوچ ہے بلکہ اس کے نتائج سنگین ہو سکتے ہیں۔ یہ لیڈر سرکاری سرپرستی کا الزام آج تک غلط ثابت نہ کر سکے۔

سوال: سب تو سرکاری نہیں ہو سکتے؟

جواب : بے شک نہ ہوں مگر ان کی حیثیت قبیلائی ہے۔ سردار ابراہیم نے ہمیشہ برادری ازم کو ہوا دی۔ باقی لوگ بھی ذاتیات کا شکار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ سردار ابراہیم نے اپنی برطرفی پر باغی حکومت بنانے کی دھمکی دی تھی مگر حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ گیدڑ بھبکی تھی۔ اگر وہ قبیلائی تعصب سے بالاتر ہو کر سوچتے تو سارے کشمیری ان کے اعلان پر لبیک کہتے لیکن یہ لوگ ہمیشہ اقتدار کے آگے اصول قتل کرتے رہے۔

یہ کشمیری سوچ کے پنڈورا بکس میں موجود مشتے از خروارے ہے اسی طرح اب کشمیر کا نوجوان سوچ کے پنڈورا بکس کے وزن کو ناقابل برداشت سمجھ رہا ہے۔ اسے احساس ہو رہا ہے کہ اس بدلی دنیا میں اس کا کھلے عام استحصال ہو رہا ہے۔ اس کی جائز بات کو بغاوت قرار دیا جا رہا ہے۔ خون پسینے سے اس کا کمایا ہوا پیسہ کشمیر سے باہر خرچ ہو رہا ہے اس کے علاقے میں ابھی سڑکوں کی ضرورت ہے، تعلیم اور تربیت کا معیار اور مواقع بہت پست اور کم ہیں۔ بجلی کی روشنی سے اس کی اکثریت محروم ہے۔ معیار زندگی اتنے زرمبادلہ کے باوجود غیر معیاری ہے۔ اب بھی مظفر آباد کے دارالخلافے میں انسان غاروں اور گھپوں میں رہ رہا ہے۔ یہ لوگ مظفر آباد شہر میں سڑک کے کنارے پہاڑ میں سرنگ نکال کر رہتے ہیں۔ انسانی استحصال کی کھلی مثال ہیں۔ جب ہر شام شہر کے گھر روشن ہوتے ہیں، یہ آبادی غاروں کی تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔ یہ مہذب دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ دارالخلافہ میں انہیں آثار قدیمہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے جبری طور پر غاروں میں دھکیلا گیا ہے۔ یہ انسان کے ہاتھوں غیر انسانی طرز زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ ان حالات میں سید محمود حسین گردیزی کو بجا طور پر ایک نمائندہ آواز قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ مستقبل اسی نسل کا ہے اور جس نسل کا مستقبل تاریک ہو وہ دست و گریبان ہونے میں دیر نہیں کرتی۔ بہتر ہے کہ مستقبل کی تعمیر میں اس نسل کو فوری طور پر شامل کر لیا جائے ورنہ کوئی گریبان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ "ویلے دی گل" پر کان دھرنا عقلمندی ہے

**

حیدرآباد * مختار عاقل

ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے ناخدا کو آزاد کیا جائے

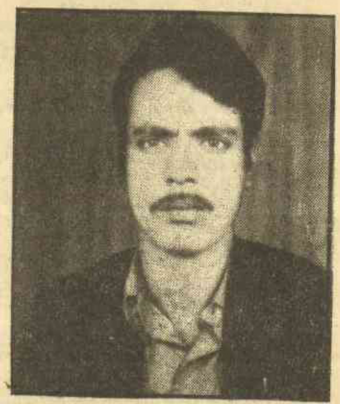
صابر حسین قریشی یونٹ سیکریٹری منی ٹیکسی ورکرز یونین

نوکر شاہی نے وڈیرے پر رحم کھا کر زمین واپس کر دی

۵ جنوری ۱۹۷۹ء کا دن پاکستان کی تاریخ میں اس لحاظ سے ایک یادگار اہمیت کا حامل رہے گا کہ اس دن ایک ایسے شخص کی سالگرہ ملک کے طول و عرض میں منائی گئی جو موجودہ غیر قانونی اور چور دروازے سے دخل در معقولات کرنے والی غیر نمائندہ حکومت سے قبل ملک کا وزیر اعظم تھا۔ اس دن ملک کے تمام ہی علاقوں میں ذوالفقار علی بھٹو سے اپنی عقیدت کا اظہار عوام کے مختلف حلقوں نے سالگرہ کی تقریبات منا کر کیا۔ اس سلسلے میں شہر حیدرآباد میں سالگرہ کا اہتمام مقامی بار کونسل کے بار روم میں کیا گیا تھا۔ اس تقریب کا اہتمام بھٹو ریلیز کمیٹی نے کیا تھا۔ مہمان خصوصی پیپلز پارٹی کے پرانے کارکن منشی عبدالشکور تھے۔ ۱۹۷۰ء میں منشی جی کا دفتر پی پی کی سرگرمیوں کا مرکز ہوا کرتا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ غالباً پیرانہ سالی نے حرکات و سکنات میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا۔ اس تقریب میں ان کی موجودگی کو مختلف حلقوں نے بہتر مستقبل کی نشانی کہا۔ تالیوں کی گونج اور جناب بھٹو کی قد آدم تصویر کے سائے میں منشی جی نے بیس پونڈ وزنی کیک کاٹا۔ اس رسم کے بعد کمیٹی کے صدر لعل بخش ایڈوکیٹ، نائب صدر چوہدری بشیر، جنرل سیکریٹری غلام بشیر تیمو اور قربان علی وغیرہ نے خطاب کرتے ہوئے بھٹو صاحب کو ملک کا حقیقی ہمدرد اور رہنما قرار دیا اور اتحادیوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ بڑے طمطراق سے اسلامی نظام کے دعوے کیا کرتے تھے۔ آج اقتدار پر پہنچ کر عوام کے دکھوں اور مصائب سے دور محض اسلام آباد کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ غلام شبیر تیمو نے، جو سندھ لاء کالج کے سابق جنرل سیکریٹری اور سابق ڈی ایس پی ہیں اور ان دنوں بیک وقت بے روزگار اور بھٹو ریلیز کمیٹی کے کارکن ہیں، خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ اسلامی نظام کے قیام کے لئے جناب بھٹو کو فقط چھ ماہ دینے کے لئے تیار نہ تھے وہ عرصہ ڈیڑھ سال گزرنے کے باوجود اسلام کی معمولی جھلک پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو بچانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ بھٹو صاحب کو رہا کر کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرا دیئے جائیں۔ مہمان خصوصی نے اپنی تقریر میں ملک کی سیاسی صورتحال کا نقشہ کھینچا اور پاکستان کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے ناخدا کو آزاد کرنے پر زور دیا۔

اس سے قبل ۴ جنوری کو منی ٹیکسی ورکرز یونین حیدرآباد کی جنرل باڈی کا ایک اجلاس زیر صدارت محمد نقی مقامی نسبت ہال میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں کارکنوں کی وسیع اکثریت بمع ٹیکسیوں کے موجود تھی۔ آغاز میں یونین کے جنرل سیکریٹری نعمان محمد کے چچا کی وفات پر فاتحہ خوانی کی گئی۔ بعد ازاں باقاعدہ کارروائی کے تحت مختلف تنظیمی امور زیر غور آئے۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے یونین کے نو منتخب نائب صدر محمد اسماعیل نے ورکرز کے مسائل پر ثابت قدمی سے جدوجہد کرنے کا عزم کیا۔ پھلیلی یونٹ کے سیکریٹری سراج الدین، مارکیٹ اسٹینڈ کے عبدالحفیظ نے سڑکوں کی فوری مرمت کا مطالبہ کیا۔ حبیب بنک ٹیکسی اسٹینڈ کے صابر حسین نے مخالفین کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی اوچھی حرکتوں سے باز آجائیں، گھروں میں بیٹھے ہوئے چند مفاد پرست محنت کشوں کے ہمدرد نہیں ہو سکتے۔ سوسائٹی اسٹینڈ کے سردار علی اور نیٹل یونٹ کے شرافت حسین نے یونین کے نمائندوں پر اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور سوزوکی گاڑیوں کی وجہ سے پیش آنے والی مشکلات کے فوری حل کا مطالبہ کیا۔ آخر میں یونین کے صدر محمد نقی نے خطاب کرتے ہوئے یونین کے کارکنوں کو ان کے اتحاد پر مبارکباد پیش کی اور حیدرآباد انتظامیہ پر زور دیا کہ وہ یونین کے دیرینہ مطالبات پورے کرے۔ اجلاس کے اختتام سے قبل ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا گیا کہ مارکیٹ اسٹینڈ پر ٹیکسی ڈرائیور رحمت علی کو زدوکوب کرنے والے پولیس انسپکٹر محمود شاہ کے خلاف کارروائی کی جائے اور غیر قانونی طور پر چلنے والی سوزوکی گاڑیوں کی روک تھام کی جائے اور انہیں کوئی مخصوص رنگ دیا جائے۔

حیدرآباد کے سیاسی اور سماجی حلقوں میں ان دنوں تعلیمی کانفرنس کی پیش کردہ نئی سفارشات کے تحت خواتین یونیورسٹیوں کا قیام موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ بعض حلقوں کے نزدیک یہ ایک احسن قدم ہے اور بعض حلقے رجعت پسندی کا مظہر اور خواتین کو دوسرے درجہ کا شہری بنانے کی سازش قرار دے رہے ہیں۔ طالب علم رہنما اعظم میمن نگرانی نے اس سلسلے میں اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ جب خواتین کھیتوں سے لے کر کارخانوں تک مردوں کے ساتھ مل کر کام کر رہی ہیں تو پردے کے مبلغوں کو کوئی خیال نہیں آتا لیکن تعلیمی محاذ پر ان کی رگ پردہ پھڑکنے لگتی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ عورت کو برائی کی جڑ قرار دینے والے خود اشتہاری فلموں میں اس کے جسمانی خدوخال نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں، تفریح طبع کے لئے میراکی کے مقابلے اور ہاکی میچ منعقد کراتے ہیں لیکن مخلوط تعلیم انہیں قبول نہیں ہے۔ خواتین یونیورسٹیوں کے قیام کو طلباء اور طالبات کے درمیان نفاق کی دیوار کھڑی کرنے کی سازش قرار دیتے ہوئے انہوں نے اس منصوبے کی تنسیخ اور پہلے سے قائم یونیورسٹیوں کی حالت بہتر بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔

صوبہ سندھ ان دنوں ہاریوں کی بے دخلیوں کا گڑھ بنا ہوا ہے ریاستی انتظامیہ سے وڈیروں کے گٹھ جوڑ نے ہاریوں کی بے دخلیوں کو اس قدر آسان اور سہل بنا دیا ہے کہ عزت اور روزگار کے تحفظ کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی ہے۔ چار سال قبل ضلع نواب شاہ کے علاقے محبت ڈیرو کے ایک وڈیرے غلام محمد ڈھراج کی سازشوں سے انسپکٹر علی گوہر کی گولیوں کا شکار ہونے والا بے گناہ ہاری عرض محمد آج بھی ڈاکوؤں سے پولیس مقابلے کی من گھڑت داستانوں میں پولیس کی گولیوں کا شکار ہو رہا ہے اور انسپکٹر علی گوہر جیسے وفادار سرکاری کارندے اپنے ان "کارناموں" کی بدولت ترقیاں پاکر ڈی ایس پی اور ایس پی بنائے جا رہے ہیں۔ اور غلام ڈھراج جیسے وڈیروں کے اشاروں پر ناچنے والے نظر شاہ جیسے صوبیدار آج بھی درندگی اور نسطائیت کا مظہر بنے ہوئے ہیں۔ ضلع بدین کے تعلقہ بدین میں دیہہ بھانکی اور ڈندو کے جدی پشتی ہاریوں پر ان دنوں اسی علاقے کے ایک بااثر زمیندار پیر سید غلام رسول شاہ کی تلوار لٹک رہی ہے۔ موصوف ایک درگاہ کے سجادہ نشین بھی ہیں۔ ۱۹۷۲ء کی زرعی اصلاحات کے نتیجے میں ان کی دو سو بتیس ایکڑ زمین ہاتھ سے نکل کر سرکار کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی عوام کے ہاتھوں میں جانی تھی کہ کامورا شاہی نے درمیان سے ہی اچک لی اور اس نے بیچارے "وڈیرے پر رحم" کھا کر زمین واپس اسے ہی ٹھیکے پر اٹھا دی اور بیچارے

ہاری زمین کی ملکیت کا خواب آنکھوں میں لیے بدستور بٹائی پر کام کرتے رہے۔ یہ صورتحال بدستور قائم رہتی کہ مذکورہ وڈیرے کا ٹھیکہ ختم ہو گیا اور ۳ نومبر ۱۹۷۸ء کو اسسٹنٹ کمشنر بشیر احمد انڑ نے ریونیو ڈیپارٹمنٹ کی معرفت یہ اراضی اسی پر کاشت کرنے والے ہاریوں کو بٹائی پر دے دی۔ ایک سید زادے وڈیرے کو یہ کیونکر منظور ہو سکتا تھا چنانچہ ریونیو ڈیپارٹمنٹ حیدرآباد سے سازباز کر کے ٹھیکہ کی میعاد موجودہ فصل تک بڑھوالی تاکہ آدھی فصل اور ہاریوں کو بے دخل کرنے کا حق محفوظ ہو جائے لیکن یہ "ڈرامہ" ہاریوں کی شدید مخالفت کی وجہ سے چونکہ زیادہ عرصہ تک جاری رہنے کی امید نہیں تھی لہٰذا اب ساری کوششیں اپنے ہی ایک ساتھی اور ٹنڈو محمد خان کے متمول سرمایہ دار کو ٹھیکہ منتقل کرانے کے لئے جاری ہیں لیکن ہاری اس گٹھ جوڑ اور سازش سے بے خبر نہیں ہیں اور بچل ماچھی، رحیم ماچھی، کریم ماچھی، سومار ملاح، سید قربان علی شاہ محمد چانڈیو، عرس چانڈیو، احمد چانڈیو، ابراہیم چانڈیو، سومار چانڈیو اور سید منظور علی شاہ وغیرہ بھی امیدواروں میں شامل ہیں۔ اس اجرت پر وڈیرے کی طرف سے پانی کا استعمال کرنے سے روک کر ضلعی انتظامیہ کے کارندوں سے دھمکیاں دلوانے تک ہر ممکن خباثت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اور نظام مصطفےٰ کے داعی ان مظالم کو کھلی آنکھوں دیکھنے کے باوجود ان دیکھی کر رہے ہیں۔ این ایس ایف حیدرآباد کے صدر ظفر اقبال اور سندھ کے نائب صدر عبدالجبار ڈھر نے اس صورتحال پر گہری تشویش ظاہر کرتے ہوئے زمین کے مالکانہ حقوق یا ٹھیکہ ان جدی پشتی ہاریوں کو منتقل کرنے اور ان کے تحفظ کا مطالبہ کیا ہے۔

*

انتخابات ملتوی کرانے کی کوششیں ناکام بنا دیں

اعزاز نظیر

نیشنل پروگریسو پارٹی کے صدر جناب اعزاز نذیر نے ملک قاسم کی جانب سے قومی حکومت کی تشکیل کی تجویز پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے حکمران طبقہ کی جانب سے انتخابات کو ٹالنے کی کوشش قرار دیا ہے انہوں نے ایک بیان میں کہا ہے کہ حکمران طبقہ کی پارٹیوں پر مشتمل قومی حکومت انتخابات کا نعم البدل نہیں ہو سکتی ڈاکٹر اعزاز نذیر نے کہا کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ سامراج اور اس کے گماشتے پاکستان میں عام انتخابات کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں خوف ہے کہ منتخب ہونے والے نمائندوں کے لئے اب یہ ممکن نہیں رہے گا کہ وہ محنت کش عوام کے مسائل سے روگردانی کر سکیں اسی لیئے وہ اس بات کی تگ و دو کر رہے ہیں کہ حکمران طبقہ کی سیاسی پارٹیوں پر مشتمل حکومت قائم کر کے انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لیئے ملتوی کرا دیں ڈاکٹر اعزاز نذیر نے ملک کی تمام محب وطن اور جمہوریت پسند سیاسی پارٹیوں اور عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لیئے متحد ہو جائیں انہوں نے کہا کہ ملک کے تمام جمہوریت پسند عناصر کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ آج کے بین الاقوامی حالات میں حکمران طبقہ کے لیئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ زیادہ عرصہ تک عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کے سوال کو ٹال سکیں سامراج اور اس کے گماشتوں کو دنیا بھر میں شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور پاکستان میں بھی وہ دن دور نہیں جب عوام متحد ہوں گے اور استحصال سے پاک معاشرہ کا قیام ممکن ہو سکے گا۔

****

بہاولپور

محبوب علی رانا

قانون غریبوں کیلئے ہے

احتساب اور انتخاب کے نام پر استحصال ہو رہا ہے

بہاولپور محنت کش محاذ کے کارکنوں نے دو جنوری کو یوم احتجاج منانے کے لئے ایک جلسے کا انعقاد کیا۔ جلسے کی صدارت بہاولپور کے معروف صحافی اور مزدور کسان رہنما مسٹر محبوب علی رانا نے کی۔ جلسے میں مزدور رہنماؤں کے علاوہ مزدوروں، کسانوں اور طالبعلموں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ جلسے سے ڈپو ہولڈر ایسوسی ایشن کے نائب صدر عطاء اللہ چوہدری رشید احمد ایڈووکیٹ، نائب صدر عزیز فلور ملز فیاض احمد۔ ٹرکشہ یونین کے جنرل سیکریٹری مسٹر عبدالحمید اور آخر میں جلسے کے صدر مسٹر محبوب علی رانا نے خطاب کیا۔

مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کے دن ہم ملتان کے شہید مزدوروں کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے حقوق کی خاطر لڑتے ہوئے اپنی جان تک قربان کر دی۔ اور سرمایہ داروں کو یہ بتا دیا کہ حق کی خاطر لڑنے والوں کو موت بھی ان کے عظیم ارادے سے متزلزل نہیں کر سکتی۔ مقررین نے کہا۔ آج کا دن یوم حساب بھی ہے۔ یوم احتساب بھی ہے۔ یوم جدوجہد ہی نہیں یوم عہد بھی ہے موجودہ حکومت نے شہید مزدوروں کے قاتلوں کو کہاں تک قانون کی زنجیروں میں جکڑا ہے اور مزدوروں کے ورثاء سے ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان کے مزدوروں سے کہاں تک انصاف کیا ہے مقررین نے کہا۔ آج قانون صرف محنت کشوں کو جھوٹے ہتھکنڈوں کے ذریعے مختلف سزاؤں میں جکڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ قانون غریبوں کے لئے ہے۔ امیروں کے نزدیک قانون کی حیثیت زر خرید لونڈی کی سی ہے۔ پاکستان قائم ہوئے ۳۱ برس ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ کے دوران محنت کشوں کے مسائل بڑھتے ہی رہے۔ سرمایہ دار اور جاگیردار محنت کشوں کے خون کو پانی سے سستا سمجھ کر ہولی کھیلتے رہے۔ آج بھی غریب مزدور، کسان اور طالب علم وڈیروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اور سامراج کے جبر و تشدد کی چکی میں گھن کی طرح پس رہے ہیں۔

مقررین نے کہا۔ ۳۱ سال سے پاکستان پر ایک مخصوص طبقے کے لوگ حکومت کر رہے ہیں۔ یہ لوگ مختلف بھیس بدل کر مختلف روپ دھار کر اور مختلف چولے پہن کر مختلف شکلوں میں محنت کشوں پر

حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ کسی نے جمہوریت، کسی نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اور کسی نے اسلام کے مقدس نام پر محنت کش عوام کے جذبات مشتعل کر کے عوام کا استحصال کیا۔ اور آج کی حکومت بھی احتساب اور انتخاب کے نام پر عوام کا استحصال کر رہی ہے یہی وجہ ہے کہ سسکتی، تڑپتی ہوئی انسانیت دم توڑ رہی ہے اور امن و سکون کی تلاش میں ہے۔ لاہور میں پپو کے قاتلوں کو پھانسی دی جا سکتی ہے۔ مزدوروں کے قاتلوں کو کیوں پھانسی نہیں دی گئی۔ محنت کش عوام اس موقع پر موجودہ حکومت سے سوال کرتے ہیں۔ کیا قانون کے لمبے ہاتھ صرف غریبوں تک ہی محدود ہیں؟ یہ ہاتھ وڈیروں، سرمایہ داروں تک کیوں نہیں پہنچتے؟

موجودہ اسلامی دور میں انصاف کا تقاضا کیا یہی ہے کہ مزدوروں کے قاتل ایئر کنڈیشنڈ بنگلوں میں بیٹھے عیاشیاں کر رہے ہیں۔ اور شہیدوں کے بچے آج بھی غربت و افلاس اور فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں؟ عوام نے دیکھ لیا ہے کہ نظام مصطفےٰ کا راگ الاپنے والے جماعت اسلامی کے وزراء بھی وزارت کے نشے میں گم ہو گئے ہیں۔ نظام مصطفےٰ کے بڑے بڑے علمبردار آڑھتی حضرات بھی جماعت اسلامی کے وزراء کی طرح دولت سمیٹنے میں مصروف ہیں۔ ذخیرہ اندوزی اور چاول کی اسمگلنگ کے ذریعے غریب عوام کا دونوں ہاتھوں سے استحصال کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کے دور میں محنت کشوں کے مسائل میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے محنت کشوں کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ رشوت کا معیار پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ نوکر شاہی کا کاروبار اچھا خاصا چمکا ہوا ہے۔ چور بازاری۔ ذخیرہ اندوزی اور اسمگلنگ کے ذریعے غریب عوام کی معاشی لوٹ کھسوٹ کی جا رہی ہے۔ ڈی نیشنلائز کی ہوئی ملوں میں مزدوروں کی چھانٹیاں کی جا رہی ہیں۔ دیہاتوں میں مزارعوں کی بیدخلیاں ہو رہی ہیں۔ آئے دن بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ چوری۔ قتل۔ ڈکیتی کی وارداتوں میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ حال ہی میں ملتان میں جماعت اسلامی کے تنخواہ دار غنڈوں نے ملتان شہر کی فضا میں کہرام مچایا ہوا ہے۔ یہ تمام مسائل اور جماعتی غنڈوں کی طرف سے شہریوں پر حملہ موجودہ نام نہاد سول کابینہ کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں

جماعت اسلامی والوں نے اقتدار سے پہلے جمہوریت اور آزادیٔ صحافت کی رٹ لگائی ہوئی تھی لیکن آج ان کے قول و فعل میں بہت تضاد ہے۔ آج ۸۰ فیصد محنت کش عوام جو اس ملک کا جمہور ہیں ان کے حقوق سلب کیے جا رہے ہیں۔ مزدوروں کو ٹریڈ یونین سازی کا حق نہیں ہے۔ حق ہڑتال نہیں ہے۔ مزدوروں کو ان کی محنت کے مطابق معقول معاوضہ نہیں دیا جاتا۔ صحافت آزاد نہیں ہے۔ جسے جمہوری ممالک میں ملک کا چوتھا ستون سمجھا جاتا ہے۔ نام نہاد جمہوریت پسندوں نے جمہوریت اور صحافت کے نام پر آزادیٔ صحافت اور جمہوریت کا گلا گھونٹا ہے۔ محنت کش عوام کو انصاف، ترقی، خوشحالی اسی وقت ملے گی جب اقتدار پر قبضہ محنت کشوں کا ہوگا۔ موجودہ معاشی اقتصادی، سیاسی ڈھانچے کو تبدیل کر کے سوشلسٹ اقتصادیات پر مبنی نظام قائم ہوگا۔ اس جلسے میں محنت کشوں کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ سرمایہ داری و جاگیرداری کا محل اپنے آپ گر جائے گا بلکہ اس کے لئے محنت کشوں کو جدوجہد کرنی پڑے گی۔

جلسے میں مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

(۱) آزادیٔ صحافت کی جدوجہد میں گرفتار ہونے والے مجاہدوں شمیم اصغر، مسعود قمر، جان عالم، مزدوروں طالب علموں اور سیاسی کارکنوں کو رہا کیا جائے

(۲) کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے مزدوروں کے قاتلوں کو سرِ عام پھانسی دی جائے۔

(۳) فوج بیرکوں میں واپس چلی جائے۔ انتخابات کی تاریخ کا اعلان کیا جائے۔ چور دروازے سے آنے والے نام نہاد سول کابینہ کے وزراء مستعفی ہو جائیں۔ بہاولپور کی بلدیہ کے اہل کاروں کا احتساب کیا جائے۔ بہاولپور کی سڑکوں کی مرمت کی جائے۔ رکشہ ڈرائیوروں کے لائسنس بنائے جائیں۔ پولیس کی منتھلی سے نجات دلائی جائے

سرگودھا

الطاف چغتائی

بھٹو نے اپنے طبقے سے بغاوت کر کے ہمارا ساتھ دیا

پاکستان پیپلز پارٹی ضلع سرگودھا کے زیر اہتمام جوہر آباد میں چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کا یوم ولادت انتہائی عقیدت و احترام سے منایا گیا۔ پروگرام کا آغاز قرآن خوانی سے ہوا اس کے بعد چیئرمین کی درازیٔ عمر کے لئے دعا مانگی گئی اور آخر میں پارٹی رہنماؤں اور کارکنوں نے اجتماع سے خطاب کیا۔ یوم ولادت منانے کیلئے انتظامات ملک محمد اسلم اعوان ایڈووکیٹ کی رہائش گاہ پر کئے گئے تھے اور پروگرام کی کامیابی کے لئے پیپلز پارٹی جوہر آباد کے جنرل سیکرٹری عبداللطیف خان نے بھرپور کوشش کی۔

اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے پیپلز پارٹی ضلع سرگودھا کے صدر ملک حاکم خان اعوان ایڈووکیٹ نے کہا کہ قائد عوام ہمارے مسلمہ رہنما ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہم سے جدا نہیں کر سکتی ہم رہتی دنیا تک ان کی پیروی کریں گے کیونکہ وہ حق پر ہیں۔ کوہ نور شوگر ملز ایمپلائز ٹریڈ یونین کے صدر سید محمد اشرف راشد نے کہا کہ بھٹو نے ہمیں سوجھ اور شعور دیا ہے اور یہ اس کا ہم پر احسان ہے جسے ہم کبھی بھی نہیں بھلا سکتے۔ ایمپلائز ٹریڈ یونین کے جنرل سیکرٹری ملک لعل خان نے کہا کہ بھٹو نے اپنے جاگیردار طبقہ سے بغاوت کر کے ہمارا ساتھ دیا۔ چنانچہ ہم آزمائش کی گھڑیوں میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے جامع مسجد بلاک نمبر ۱۲ کے امام مسجد قاضی فضل حسین شاہ نے کہا بھٹو کی لڑائی اصولوں کے لئے ہے اور ہم اس جنگ میں اس کے ساتھ ہیں۔ جامع مسجد غلہ منڈی جوہر آباد کے امام حافظ دین محمد نے دعا کی کہ خدا بھٹو کو ہماری رہنمائی کے لئے ہزاروں برس زندہ رکھے۔ عیسائی رہنما سنت مسیح نے کہا کہ مسیح برادری بھٹو کے ہمراہ ہے کیونکہ بھٹو نے ہمیں اپنے دور اقتدار میں احساس کمتری سے نکال کر دوسرے پاکستانیوں کے برابر حقوق دیئے ●

شبیہ الحسن

****

گولی کا جواب گولی سے دو : خمینی

****

سامراجی بندھن تیزی سے ٹوٹیں گے امریکہ پر ایک بھیانک خوف مسلط ہے

تاریخ آرزو اور تمناؤں سے نہیں بنتی آنکھیں کھولو اور نوشتۂ دیوار پڑھ لو

خمینی سے مغربی ممالک کی بات چیت کی کامیابی کی صورت میں شاہ کی مکمل چھٹی کا امکان

ایران میں اس ہفتہ دو نمایاں تبدیلیاں ہوئی ہیں اول یہ کہ شاہ ایران نے خرابیٔ بسیار سے ایران چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے ان کی عدم موجودگی میں ایک ریجنسی کونسل قائم کی جاتے گی جو شاہ کے اختیارات استعمال کرے گی تاکہ شاہ کے مسلط کردہ آئین کا تسلسل برقرار رہے۔ ان کے ایران چھوڑنے کے فیصلہ کے پیچھے امریکہ کی ڈوری صاف ہلتی دکھائی دیتی ہے وائٹ ہاؤس کے پالیسی سازوں کا خیال ہے کہ کمیونسٹوں کے دشمن شاہ پور بختیار کی حکومت کو مستحکم کرنے فوجی بغاوت کے خطرے کو ٹالنے اور عوام کے غم و غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ کے دست راست شاہ محمد رضا شاہ پہلوی عارضی طور پر ایران سے چلے جائیں کچھ عرصہ بعد جب ایران کے حالات بختیار کے کنٹرول میں آ جائیں گے تو شاہ کی "پولین" میں واپسی کی بھی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ایرانی عوام کے روحانی اور سیاسی رہنما آیت اللہ خمینی نے انقلابی کونسل کے ارکان نامزد کر دیئے ہیں لیکن ان کے ناموں کو صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے اس کے ساتھ ہی خمینی نے انقلاب کے نعرے کی گونج میں عوام کو ہدایت کی ہے کہ وہ بختیار حکومت سے تعاون نہ کریں اور اگر کوئی ان پر حملہ کرے تو گولی کا جواب گولی سے دیں، گویا ان کی جانب سے مسلح انقلاب کی ایک دھمکی ہے جس سے پہلے انہوں نے گریز کیا شاید یہ دھمکی ایران میں فوجی انقلاب کے خطرہ کے پیش نظر دی گئی ہے کہ اگر فوج نے بغاوت کی کوئی سازش کی تو پھر عوام بھی جواباً ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے سیاسی مبصرین آیت اللہ خمینی کی انقلابی کونسل کو متبادل قیادت کا نام دے رہے ہیں جو ایران میں شاہ اور بختیار حکومت کی معزولی یا برطرفی کی صورت میں اقتدار سنبھالے گی۔

کیا ان دو تبدیلیوں کے پیش نظر یہ سوال بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ امریکی اسٹریٹجی کے مطابق بختیار حکومت بحران پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے گی اور ایران کے ہنگامی حالات معمول پر آ جائیں گے؟ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اس نے بختیار حکومت کو مستحکم بنانے کے لیئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے یہاں تک کہ شاہ کے ایران چھوڑنے کی تجویز کی منظوری دے کر اپنے سب سے قریبی دوست کا مستقبل بھی خطرہ میں ڈال دیا ہے امریکہ یہ سارا رسک محض اس وجہ سے لے رہا ہے تاکہ شاہ کے نعم البدل کے طور پر بختیار حکومت کو قائم رکھا جا سکے اور ایران میں کسی محب وطن اور ترقی پسند حکومت کی آمد کا راستہ روکا جا سکے جو شاہ کے فاشی ترجمان ہتھکنڈوں اور انتظام کے سبب سر پہ تیار کھڑی ہے سیاسی مبصرین نے اس صورتحال پر دلچسپ اور بامعنی ریمارک دیا ہے کہ شاہ اور امریکہ کی اپنے حوالے سے

امریکہ ایران میں تبدیلی کی وجہ سے پورے علاقے میں پریشانی

نیک آرزو اور تمنا اپنی جگ...
تمناؤں سے نہیں بنتی انہ...
پڑھ ہی لینا چاہیئے۔
شاہ کی ایران سے
ہو گی اور اس کے دور رس...
جرائم میں شریک طبقہ ا...

****

****

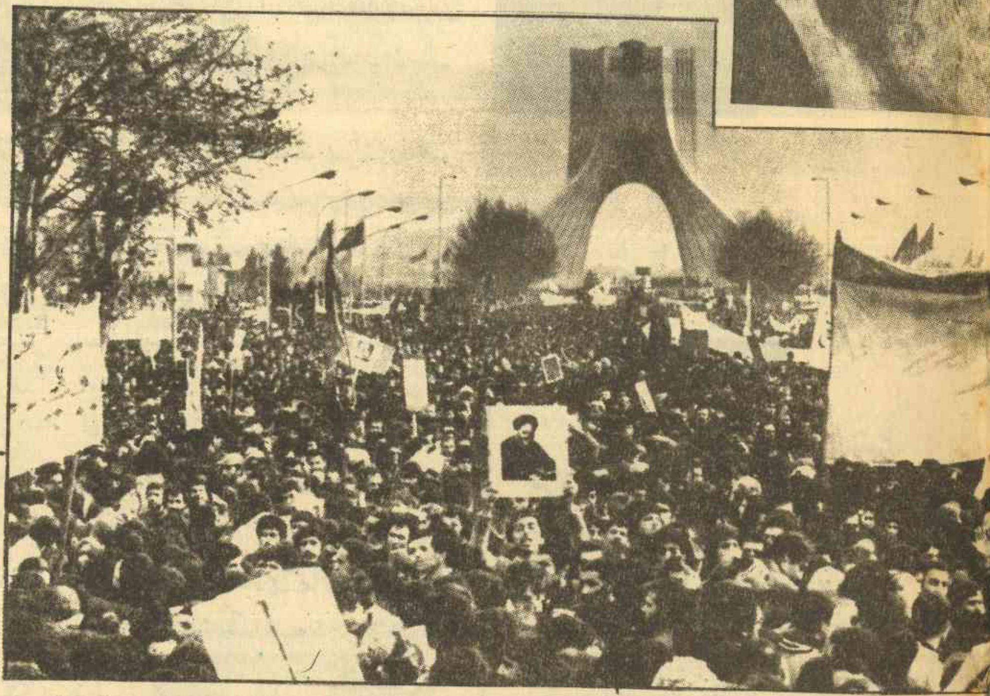

لیکن تاریخ آمدورفت اور
انکھیں کھول کر نوشتہ دیوار

گی بڑی اہمیت کی حامل
ہو جائیں گے شاہ کے سیاسی
اور امریکہ اس بات کی پوری

کوشش کریں گے شاہ کی عدم موجودگی میں بختیار حکومت کسی نہ کسی صورت قائم رہے اور حالات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے قابل ہو جائے تاکہ ایران میں شاہ کی دوبارہ آمد اور امریکی مفادات کو یقینی بنایا جا سکے لیکن دوسری جانب حزب اختلاف نے شاہ کے ایران چھوڑنے کے مطالبہ پر اپنا دباؤ بڑھا دیا ہے نیشنل فرنٹ نے اعلان کیا ہے کہ عوام شاہ کی دوبارہ آمد قطعی برداشت نہیں کریں گے نہ ہی ایران میں بادشاہت کی کوئی شکل قبول کی جائے گی قرائن بتاتے ہیں کہ شاہ کو ایران چھوڑنا پڑے گا اس کے ساتھ ہی بادشاہت کا ڈھائی ہزار سالہ خون آشام دور ختم ہو گا جس کی بنیاد کو انسانی لہو سے سیراب کیا گیا ہے۔ بعض سفارتی ذرائع سے پتا چلا ہے کہ فرانس میں آیت اللہ خمینی سے چند بڑے ملکوں کے نمائندوں نے متعدد ملاقاتیں کی ہیں اور تبادلۂ خیال کا سلسلہ جاری ہے سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ بڑے ممالک آیت اللہ خمینی سے بعض باتوں کی ضمانت کے طلبگار ہیں اگر انہیں یہ ضمانتیں مل گئیں تو شاہ کی تخت سے معزولی یا دست برداری دنوں کی بات ہو گی۔

ادھر امریکی اخبارات اور جرائد شاہ کے زوال پر مختلف انداز سے تنقید اور تبصرہ کر رہے ہیں ویکلی ٹائم کے ایسے ہی ایک طویل جائزے میں ایک امریکی تاجر کے تاثرات دیئے گئے ہیں جو ایران کے بارے میں وسیع معلومات اور

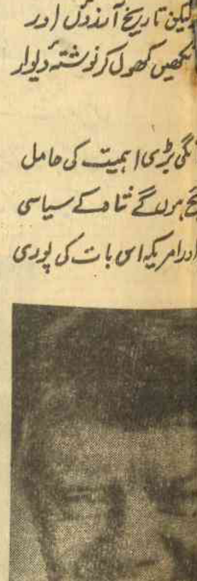

تجربات رکھتے ہے "شاہ نے کسانوں سے رابطہ ختم کر دیا شاہ افراط زر پر قابو پانے میں ناکام ہو گئے شاہ کا ملاؤں سے رابطہ ختم ہو گیا۔ ان کا ساواک پر کنٹرول ختم ہو گیا ان کا اپنے خاندان کے افراد پر کنٹرول ختم ہو گیا جس سے ہر شخص نے بے پناہ مالی فوائد حاصل کئے۔ صرف فوج رہ گئی تھی جس پر وہ بھروسہ کرتے تھے۔

سیاسی احتجاج کی لہر جنوری ۷۸ء ، ۱۹ء میں شروع ہوئی اور اب تک جاری ہے شاہ کی مخالفت کی تحریک کو پابند تودہ پارٹی سمیت بائیں بازو کی تمام سیاسی پارٹیوں کی حمایت حاصل ہے لیکن اس کی قیادت مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی کے ہاتھوں میں ہے جو ان دنوں فرانس میں جلا وطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اس تاریخی جدوجہد میں پروفیسر بل کے مطابق تعلیم یافتہ پیشہ ور متوسط طبقہ بھی شامل ہے جس کی وجہ سے ایران کے ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت خاتمہ کے قریب ہے۔

ایران کی موجودہ صورتحال اور ہنگامہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ امریکی صدر کارٹر کو ایران سے تعلقات وراثت میں منتقل ہوئے ہیں جس کا ذائقہ اب جا کر بے حد کڑوا اور تلخ ہو گیا ہے۔ ۱۹۷۲ء میں سابق صدر رچرڈ نکسن نے پابندی

ختم کرکے ایران کے ہاتھوں امریکی اسلحہ فروخت کرنے کا فیصلہ کیا اس کے فوراً بعد ایران میں بلین ڈالر کے اسلحہ کا ڈھیر لگ گیا۔ امریکہ نے ایران کو خلیج فارس کا پولیس مین بنا دیا چنانچہ جب ۱۹۷۳ء میں عرب ممالک نے تیل کی فروخت پر پابندی عائد کی تو ایران نے پولیس مین کا کردار ادا کرتے ہوئے عربوں کے اس اجتماعی فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مغربی ممالک کے لیے تیل کی ترسیل جاری رکھی۔ امریکہ کے ٹاپ پالیسی سازوں میں سے ایک نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے ایران پر کنٹرول حاصل کرنے کے لئے اسلحہ کے ڈھیر لگا دیے لیکن ایران میں جمہوری اداروں کے قیام کے سلسلہ میں شاہ پسند یا ڈنڈا لٹے میں ناکام ثابت ہوئے۔

حالیہ تحریک کے کچھ عرصہ پہلے تک شاہ کو اس بات کا یقین تھا کہ انہیں متوسط طبقہ اور کسانوں کی حمایت حاصل ہے جنہیں شاہ کی "جدید ایران" کی مہم سے فائدہ پہنچا ہے لیکن شاہ کی یہ بہت بڑی غلط فہمی تھی حال ہی میں چند امریکی صحافیوں نے جو معلومات جمع کی ان کے مطابق شاہ کو ان طبقات کی کبھی حمایت حاصل نہ تھی دراصل یہ شوشہ سی آئی اے کا چھوڑا ہوا تھا کہ سفید انقلاب سے ان طبقات کو فائدہ پہنچا ہے فارس کے قدیم ریت پر جدید صنعتی ایران کا خواب شاہ کا ایک حسین فریب تھا۔ جو حقائق سے ٹکرا کر بہت جلد منتشر ہو گیا۔ شاہ خوش قسمت تھے ان کے پاس تیل کا کثیر سرمایہ تھا اگر وہ چاہتے تو ایران کو جدید اور خوشحال ملک میں تبدیل کر سکتے تھے انہوں نے کچھ اصلاحات بھی کیں مگر تیل کی آمدنی کا بڑا حصہ اسلحہ کی خریداری پیٹرو کیمیکلز فیکٹریز اور نیوکلر پلانٹس کی تعمیر پر بے دردی سے لٹاتے رہے ادھر ہزاروں کسان بے روزگار ہو کر شہروں میں پہنچ گئے اسکائی اسکریپرز کی بلندی آسمان سے باتیں کرنے لگی۔ اور گذشتہ سال افراط زر میں پچاس فی صد اضافہ ہو گیا۔

امریکہ کے صدر جمی کارٹر انسانی حقوق کے بڑے علمبردار ہیں لیکن ایران میں انسانی حقوق کی پامالی رکھی زبان نہیں کھولی یہاں تک کہ دو سال قبل جب انہوں نے ایران کا دورہ کیا تھا تو انسانی حقوق کے مسئلہ پر ایک لفظ ادا نہیں کیا جس سے ایرانی عوام پر ان کے دورے کا غلط تاثر قائم ہوا۔ آج امریکہ کے پالیسی ساز اس بات پر ماتم کر رہے ہیں کہ شاہ کو بے لگام کیوں چھوڑا گیا انہیں انسانی حقوق کچلنے پر کیوں متنبہ نہ کیا گیا۔ اور انہیں عوام کو جمہوری آزادی دینے پر کیوں مجبور نہیں کیا گیا۔ ظاہر ہے اب ان سب باتوں کا وقت گذر چکا ہے۔

امریکہ ایران کے واقعات سے اس لیے بھی خائف ہے کہ اس علاقے کے دیگر ملکوں کے سیاسی حالات بھی اس کی پالیسی کے برعکس جا رہے ہیں بنگلہ دیش بھارت اور پاکستان میں سیاسی سماجی اور معاشی عدم استحکام ہے بے چینی اور بے اطمینانی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے سعودی عرب سمیت خلیج کے ممالک بھی خوف اور تذبذب میں مبتلا ہیں افغانستان کی طرح اگر ایران میں بھی محب وطن ترقی پسند اور سامراج دشمن حکومت قائم ہو گئی تو اس کا لازمی اثر امریکہ کے اتحادی ممالک کے سیاسی اور اقتصادی حالات پر پڑے گا اور سامراجی بند صن تیزی سے ٹوٹیں گے اس بات نے امریکہ پر ایک بھیانک خوف مسلط کر دیا ہے وہ ہر صورت میں یہی چاہے گا کہ ایران اس کی عملداری سے نہ نکلنے پائے تاکہ اس دیگر باجگذار ممالک کے عوام اس کا "تاوان" ادا کرتے رہیں مگر کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "تاریخ کے دھارے اپنی سمت میں بہتے ہیں اور راہ میں آنے والی ساری رکاوٹیں بہا لے جاتے ہیں۔

**

گوجرانوالہ

نمائندہ خصوصی

۵ جنوری ۱۹۷۹ء کو چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سالگرہ بڑے جوش و خروش سے منائی گئی۔ شہر بھر میں ایک تہوار کا سا سماں تھا۔ لوگوں نے جگہ جگہ جھنڈیاں لگائیں۔ کیک کاٹے۔ اپنے قائد کی تصویر کو ہار پہنائے۔ پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ خوشی اور دکھ کے ملے جلے آنسو بہاتے۔ بڑھی بوڑھیاں بھٹو کی تصویر کو چومتی رہیں اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتی رہیں۔ دیگیں پکا کر غربا میں کھانا تقسیم کیا گیا قائد عوام کی رہائی، زندگی اور تندرستی کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔ شہر میں ۲۶ تقریبات میں جناب بھٹو کی سالگرہ کے کیک کاٹے گئے۔ تقریبات کا سلسلہ تقریباً

"ریلیز بھٹو کمیٹی" کے کنوینر زاہد خان صدر آغا شریف حاضرین سے مخاطب ہیں

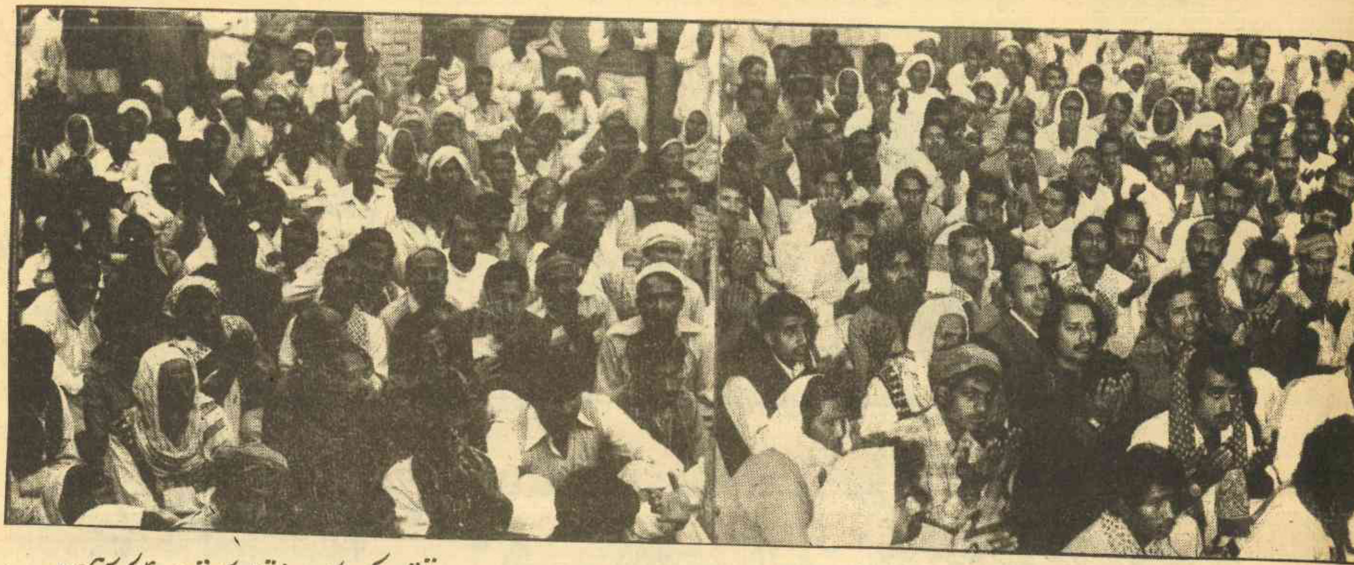

بچوں نے بھٹو کی سالگرہ دھوم دھام سے منائی

صبح دس بجے ہی شروع ہوگیا۔ جو رات گئے تک جاری رہا۔ لوگ ایک عجیب جذباتی کیفیت سے دوچار تھے' انہیں سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ خوشیاں منائیں، یا دھاڑیں مار مار کر آنسو بہائیں۔ کارکنوں نے قائدِ عوام کی تقریروں کے کیسٹ لگا رکھے تھے۔ رات کے سناٹوں میں بھٹو صاحب کی آواز گونجتی رہی۔ لوگ ہمہ تن گوش ہوکر اپنے رہنما کو سنتے رہے۔ رات کو جگہ جگہ چراغاں کیا گیا تھا۔

ان سب تقریبات میں سے سب سے زیادہ متاثر کن تقریب وہ تھی جو پی پی کے ایک کارکن مسٹر خلیل قیصر کی دکان واقع بیرون لاہوری دروازہ گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی۔

مسٹر خلیل کی دکان میں جناب بھٹو کی ایک بڑی تصویر (پینٹنگ) آویزاں تھی۔ اس تقریب کا اہتمام چھوٹے چھوٹے بچوں کی ایک انتظامی کمیٹی نے کیا تھا۔ اس کمیٹی میں شائستہ پروین' رخسانہ چشتی، نعیم بھٹو، عابدہ' شازیہ، نوید بٹ' محمد رمضان' توصیف افضل' سلیم' عامر بٹ اور دوسرے شامل تھے۔ دیوار پر لگی پھولوں سے لدی جناب بھٹو کی تصویر کے عین نیچے ایک بڑی میز پر جناب بھٹو کی سالگرہ کی نسبت سے اکیاون موم بتیاں روشن تھیں اور ان روشن شمعوں کے بیچ میں ایک بڑا کیک رکھا تھا۔ اور دیگر مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے پڑے تھے۔ بچے تین بجے سہ پہر ہی سے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ پانچ بجے تک تل دھرنے کو بھی جگہ نہ رہی۔ شہر کے دور دراز حصوں سے

بھی بعض بچے تانگوں میں بیٹھ کر اس تقریب میں شمولیت کے لئے آئے تھے۔ تقریباً سوا پانچ بجے تلاوتِ قرآنِ پاک سے اس تقریب کا آغاز ہوا۔ چھٹی جماعت کے ایک طالب علم سہیل بشیر نے تلاوت کی۔ موقع کی مناسبت سے نوید افضل ججوعہ اور گوگا نامی دو ننھے ننھے مقررین نے تقریریں کیں۔ بچوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج ہم سب بھٹو صاحب کی سالگرہ منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہمارے دل کو آج خوشی بھی ہے اور دکھ بھی کیونکہ ہمارے لیڈر جناب بھٹو پھانسی کی کوٹھری میں بند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری دلی آرزو ہے کہ آج اس موقع پر بھٹو ہمارے ساتھ ہوتے۔ بچوں نے کہا کہ وہ دن ضرور آئے گا جب بھٹو صاحب ہمارے درمیان ہوں گے۔ ہم اُن کی اگلی سالگرہ اُن کے ساتھ مل کر منائیں گے۔

• بچوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بھٹو ایسی ہزاروں سالگرہیں منائیں کیونکہ جناب بھٹو ہمارے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں۔ بچوں نے کہا کہ سامراج پاکستان کے ہر دلعزیز عوامی رہنما کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیوں کہ ہم اپنے قائد سے پیار کرتے ہیں۔ ہمارے وطن کی اکثریت انہیں چاہتی ہے۔ بچوں نے کہا کہ جس شخص کو لوگ پیار کرتے ہوں اُسے تو خود موت بھی نہیں مار سکتی۔

• بچوں نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ جناب بھٹو اپنی اگلی سالگرہ کے کیک کو آزادانہ فضا میں خود اپنے ہاتھ سے کاٹیں گے۔ اور ہم اُن کے گرد جمع ہوں گے اور خوشی سے تالیاں بجائیں گے۔ تقریروں کے بعد جب معصوم بچوں نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر اللہ کے حضور جناب بھٹو کی رہائی، زندگی تندرستی اور سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں تو ہر آنکھ پُرنم ہو گئی۔

• بچوں نے صاف ستھرے اور رنگ برنگے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جناب بھٹو کی تصویر کے گرد جمع معصوم بچوں کو دیکھ کر یوں دکھائی دیتا تھا، جیسے

بہت ہی پیارے پھولوں کے ڈھیر لگے ہوں۔ تالیوں کی گونج میں سالگرہ کا کیک ایک کارکن شریف چشتی کے بچے نعیم بھٹو نے کاٹا اور پھونکیں مار مار کر موم بتیاں بجھائیں۔ یاد رہے کہ نعیم بھٹو کے والد شریف چشتی پی پی کے جیالے کارکن اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کے جاں نثار دیوانوں میں سے ہیں۔ چشتی صاحب نے اپنی بے پناہ عقیدت اور محبت ہی کی بنا پر اپنے لختِ جگر کا نام اپنے قائد کے نام کی نسبت سے نعیم بھٹو رکھا ہوا ہے۔ بچوں نے لوگوں میں مٹھائی اور پھل تقسیم کئے۔ اس تقریب کو دیکھ کر لوگوں کا ارد گرد بے پناہ ہجوم ہوگیا۔ بازار رک گیا اور لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ جناب بھٹو یقیناً رہا ہوں گے۔ کیوں کہ اللہ پاک معصوم بچوں کی دعا قبول کر لیتا ہے•

پیپلز پارٹی کے تمام رہنماؤں کو نا اہل قرار دینے کے باوجود شکست سے بچنا مشکل ہے

محمد اعظم خاں

مثبت نتائج پلان کے ھو امیدوار کا کارکن مقابلہ کریں گے

خانیوال میں ۵ جنوری کو زور و شور سے ذوالفقار علی بھٹو کی سالگرہ کا دن منایا گیا۔ صبح چوک نور بازار میں دیگیں چڑھائی گئیں۔ گیارہ بجے طلباء کی تنظیم پی ایس ایف نے بھٹو صاحب کی سالگرہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ فریدی ہال میں تقریب کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے تلاوت کلام پاک کی گئی۔ اس کے بعد پی ایس ایف سٹی کے سکریٹری شعبہ نشر و اشاعت محمد اعظم خان نے دورِ ذوالفقار کے عنوان سے نظم پڑھی۔ اس کے بعد ضلعی جنرل سکریٹری جناب نصیر الدین طارق نے بھٹو کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ مہمانِ خصوصی جناب شیخ سوداگر علی صاحب نے کیک کاٹا۔

سہ پہر ۳ بجے پیپلز پارٹی خانیوال کے زیر اہتمام فریدی ہال میں سالگرہ کی تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب کا آغاز تلاوت سے ہوا۔ اس کے بعد ایک منٹ تک چیئرمین بھٹو کے انداز میں تالیاں بجائی گئیں مزدور لیڈر جناب عطا محمد عاصی نے اپنی تقریر میں کہا کہ بھٹو ایک عظیم انسان ہے۔ اسی نے پاکستان کے لئے خدمات سر انجام دیں۔ غریب، مزدور، کسان کا ساتھی صرف اور صرف بھٹو ہی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مزدور، کسان بھٹو پر جان نچھاور کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے تمام ممبروں کو بھی نا اہل قرار دے دو۔ ہم کارکن بھی تمہیں عبرت ناک شکست سے دوچار کر سکتے ہیں جناب سقراط باجوہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم لوگوں نے قرطاسِ ابیض چھاپ کر اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ بھٹو پہلے سے بھی زیادہ مقبول ہے۔ تم اس کی مقبولیت کو کسی طور بھی کم نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم غیر جانبدار اپنے آپ کو کہتے ہو تو ہم تمہیں جانبدار نہیں کہیں گے لیکن ہم ایک بات کہنا چاہتے ہیں کہ جناب بھٹو نے قرطاسِ ابیض کا جو جواب تحریر کیا تھا اسے اشاعت کی اجازت دی جائے "ظلم کی داستان" کا پروگرام شروع ضرور کیجئے لیکن اس کے جواب میں پیپلز پارٹی کو بھی پروگرام میں آنے کی اجازت دیجئے۔

خانیوال پیپلز پارٹی کے قائم مقام جنرل سکریٹری جناب عبدالباری شاہ گیلانی نے کہا کہ تم اسلامی نظام لانے کی بات کرتے تھے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ اسلامی نظام کے مطابق کوئی شق دکھا دو۔ عوام جانتے ہیں کہ تم صرف بات کرنا جانتے ہو کام کرنا نہیں۔ اصل میں پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں اسلامی نظام کے لئے کام ہوا ہے۔ اُسی دور میں پہلی مرتبہ اسلامی سربراہ کانفرنس بلائی گئی۔ چیئرمین بھٹو کو اسلامی سربراہ کانفرنس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ آج اُس پر کفر کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی نظام کی بات کرتے ہو۔ سود کی لعنت ختم نہیں کر سکے۔ غریب جو خود بھوکا ہے اُس کے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ اگر وہ اس وجہ سے چوری کرتا ہے تو تم اس کا ہاتھ کاٹنے کی بات کرتے ہو۔ کسی نے آواز لگائی "تاکہ غریب کا ہاتھ ان کے گریبان تک نہ پہنچ سکے"۔ انہوں نے کہا کہ پہلے غریب کا پیٹ بھرو پھر ہاتھ کاٹنے کی بات کرو۔ اس کے بعد جناب آفتاب احمد خان ڈاہا نے کیک کاٹنے کے فرائض ادا کئے۔ تمام لوگوں میں چاول تقسیم کئے گئے اور اس کے ساتھ ہی تقریب اختتام کو پہنچی•

اطلاع

پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد نے "بھٹو اور پاکستان" کے موضوع پر طلباء اور طالبات میں مضمون نویسی کا کل پاکستان مقابلہ کرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مقابلے میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلباء اور طالبات کو انعامات دیئے جائیں گے۔ ملک کے مختلف حصوں کے طلباء اور طالبات کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مضامین ۲۲ جنوری تک مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کریں۔

اعظم آفریدی چیئرمین پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن
صوبہ سرحد صوبائی دفتر صدر روڈ پشاور۔

ظفر قریشی

عوام اپنے حقوق وردی پوشوں اور شیروانی والوں کے پاس ہمیشہ گروی نہیں رکھیں گے

امریکہ، امداد کا ہتھیار سماجی حالات بدلنے والوں کے خلاف استعمال کرتا ہے!

موجودہ جمہوری انتظام کو سہارا دینے والی سیاسی جماعتیں اور ان کے سرخیل مولانا مفتی محمود خواہ کچھ ہی کہتے رہیں حالات وہ نہیں ہیں جو بتائے جا رہے ہیں اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں ۱۹۷۹ء میں اگر آپ یہ توقع کریں کہ عوام کو ۱۹۵۸ء والا سیاسی نظام قبول کرنے پر رضامند کر لیا جائے گا اور چند سخت تعزیری قوانین نافذ کر کے کم از کم ایک ہزار برس پیچھے گھسیٹ لیا جائے گا تو یہ ان کی بھول ہے انسان کی فطرت ہی آگے بڑھنا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت ایک مخصوص گروہ کا کوئی جبر انہیں اس پر مجبور نہیں کر سکتا اس ملک کے ہم بھی شہری ہیں اور یہ نام نہاد سیاسی رہنما بھی دونوں ہی دیکھیں گے کہ عوام کے غیظ و غضب کا لاوا کس طرح خس و خاشاک کی طرح ان بنیادی انسانی حقوق غصب کرنے والوں کو بہا کر لے جاتا ہے قوم کو تھوڑے عرصے کے لیے بے وقوف بنانا ممکن ہے لیکن یہ سمجھنا کہ قوم کو کبھی عقل نہیں آئے گی اور وہ اپنے حقوق چند وردی پوشوں اور چند شیروانی والوں کے ہاں ہمیشہ کے لیے گروی رکھوانے پر آمادہ ہو جائیں گے تو یہ حماقت ہے ایسا نہ کبھی ہوا ہے اور نہ اب ہو گا حکمرانوں کے قول و فعل کے تضاد کی پول جب کھلے گی تو اس کے بعد سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔

یہ حضرات جو مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں دھاندلیوں کے الزام اور نظام مصطفٰے کے فوری نفاذ کے نعرے کی آڑ میں جس طرح آئے ہیں اور ملک کے آئین اور اس کے تحت چلنے والے جمہوری اور دستوری اداروں اور ان کے اراکین کی ساکھ کو جس طرح ملیامیٹ کیا ہے اس کا پس منظر کیا ہے یہ معلوم

کرنے کیلئے نیلکس گرین کی کتاب "دی اینمی" پڑھیے جو رینڈم ہاؤس (نیویارک) امریکہ نے شائع کی ہے اور جس میں امریکیوں کو سامراجیت کی الف بے سے آگاہ کیا گیا ہے۔

"امداد اور فوج" کے عنوان سے بیرونی امداد کے فراڈ کا ذکر کرتے ہوئے نیلکس گرین کہتا ہے کہ امریکہ ترقیاتی امداد کے نام جو امداد دیتا ہے وہ اس فوجی امداد کے مقابلے میں نہایت حقیر نظر آتی ہے جو مارشل لاء کے پلان کے تحت یا ۱۹۶۲ء کے بعد مختلف منصوبوں کے تحت دی گئی اور اس کا مقصد بیرونی ممالک کو دھمکانا اور امریکی بحری بری یا فوج کے لئے اڈے حاصل کرنا ہے مثال کے طور پر اسپین نے ایک عرصے تک اپنی سرزمین پر امریکی اڈوں کے قیام کی مخالفت کی اور جب تک وہ مخالفت کرتا رہا اسے کوئی امداد نہیں دی گئی لیکن بالآخر جب وہ بعض پراسرار حالات کے تحت آمادہ ہوا تو اسے دس برس کے لیے پچاس کروڑ ڈالر کا دستکاری و برآمدی قرضہ فراہم کیا گیا پھر ستمبر ۱۹۶۳ء میں ایک اور پنجسالہ معاہدہ ہوا جس کے بعد مزید دس کروڑ ڈالر کی فوجی و اقتصادی امداد منظور کی گئی

خود نیلکس گرین کے الفاظ میں سن لیجئے کہ امریکی فوجی امداد کی کرامتیں کیا ہیں اور ایک ترقی پذیر ملک کے باشندوں کی حیثیت سے ہم کن لوگوں کے محکوم ہیں اور جن لوگوں کے محکوم ہیں وہ کس کو جوابدہ ہیں،

ترقی پذیر ممالک میں امریکہ یہ چاہتا ہے کہ غربت اور استحصال کی شکار آبادیاں مقامی جاگیرداروں، تاجروں اور صنعتکاروں کے چنگل میں پھنسی رہیں، یہ بات امریکی کارپوریشنوں کے اقتصادی مفاد میں ہے کہ جن ممالک میں

انہوں نے سرمایہ کاری کی ہے ان ممالک کے سماجی ڈھانچے میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ سیاسی شعور اتنا نہ بڑھے کہ جمہوری حقوق کا مطالبہ ہونے لگے۔ مقامی جاگیرداروں تاجروں اور صنعتکاروں کو اقتدار میں رکھنے کے لیئے امریکہ اپنی اقتصادی امداد کے ذریعے ضروری فوجی ساز و سامان تربیتی سہولتیں اور سرمایہ فراہم کرتا ہے لیکن جاگیردارانہ استحصال اراضی کی غیر منصفانہ تقسیم، چند لوگوں کی دولت اور اکثریت کی غربت میں اتنا بڑا بعد ہے کہ سماجی انصاف کے نعرے لگنا شروع ہو گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کی طرف سے ان تمام ممالک کو مزید فوجی امداد دی جائے گی جہاں یہ نعرے لگ رہے ہیں یا نعرے لگنے کے آثار پیدا ہو رہے ہیں لیکن اس کے لیئے شرط یہ ہو گی کہ فوجی امداد ایسی حکومتوں کو فراہم کی جائے گی جو "اسٹیٹس کو" یا تعطل کی صورتحال برقرار رکھنے کی ضمانت دیدے گی۔ جو حکومتیں یہ ضمانت نہیں دیتیں امریکہ ان کا تختہ الٹ دیتا ہے اور اس کی جگہ اپنی پسند کے فوجی حکمرانوں کو برسراقتدار لے آتا ہے لیکن یہ صورتحال زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہ سکتی وہ وقت آ رہا ہے جب کیوبا کے عوام کی طرح دیگر ترقی پذیر ممالک کے عوام بھی مقامی ڈکٹیٹروں اور امریکی کارپوریشنوں کو اکھاڑ پھینکیں گے اور امریکی امداد کا مقصد بھی یہ ہے کہ اس وقت کو جتنا ٹالا جا سکتا ہے ٹالا جائے کسی زمانے کے امریکی وزیر دفاع رابرٹ ایس میکنمارا نے کانگریس کی ایک کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا (امریکہ کی حامی جن) موجودہ حکومتوں کو جن سامراج دشمن قوتوں سے خطرہ ہے وہ قوتیں طالب علموں، مزدوروں، دانشوروں اور کاشتکاروں کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کر رہی ہیں ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیئے ضروری ہے کہ جہاں ضروری ہو اقتصادی ترقی کے لیئے امداد دی جائے لیکن اس امداد کا بنیادی مقصد مقامی فوج، پیرا ملٹری فورسس پولیس اور دیگر سکیورٹی فورسز کو مستحکم کرنا ہو۔"

دوسرے الفاظ میں ان سے مقامی آبادی کو کچلنے کا کام لیا جائے مسٹر میکنمارا نے مزید کہا کہ فوجی امداد کے پروگرام کا بیش قیمت پہلو بیرونی فوجی عملے کی تربیت ہے وہ فرماتے ہیں۔

"فوجی امداد پر ہم نے جو سرمایہ کاری کی ہے اس کا سب سے بڑا فائدہ غیر منتخبہ غیر فوجی افسر اور ماہرین ہیں جنہیں ہم نے اپنے تربیتی اداروں میں تربیت دی ہے یہ تربیت یافتگان اپنے اپنے ممالک میں بااثر حیثیت

چار مغربی ممالک امریکہ برطانیہ سویٹزرلینڈ اور مغربی جرمنی میں صنعتی فولاد کا فی کس استعمال ۵۶۴ کلوگرام ہے جبکہ پاکستان تھائی لینڈ، نائجیریا، متحدہ عرب امارات برازیل اور پیرو جیسے چھ ترقی پذیر ممالک میں مجموعی طور پر صنعتی فولاد کا فی کس استعمال بیس کلوگرام ہے۔

غریب عوام کی لوٹ کھسوٹ۔ اقتباس از کتاب دی اینمی مصنف فیلکس گرین

کے حامل خاندانوں سے متعلق ہوتے ہیں اور یہاں سے تربیت حاصل کر کے جانے کے بعد انسٹرکٹر بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ مستقبل کے رہنما ہوتے ہیں میں اس قدر قیمت کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا کہ اعلیٰ عہدوں پر موجود افراد جنہیں امریکی سوچ اور طریقۂ کار سے کما حقہٗ آگاہی ہوتی ہے ہمارے لیے کتنے اہم ہیں ایسے افراد کے ساتھ ہماری دوستی کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

یہ تو تھا جناب میکنمارا کا موقف اب سنیئے فیلیکس گرین کیا کہتا ہے۔

امریکہ نے لاطینی امریکہ کے ملک پیرو کو ۱۹۴۵ء سے ۱۹۷۰ء تک آٹھ کروڑ تیس لاکھ ڈالر کی فوجی امداد دی ۱۹ جولائی ۱۹۶۲ء کو مقامی فوج نے پیرو کی آئینی حکومت کا تختہ الٹ دیا صبح تین بجے ایک امریکی شرمین ٹینک نے پیزارو پیلس کے پھاٹک توڑ دیئے اور جس افسر نے اس حملے کی قیادت کی تھی اور پیرو کے ۷۲ سالہ صدر پراڈو کو گرفتار کیا تھا وہ ایک کرنل گونزالو بریگینو تھا اور اسے پولیس رینجر اسکول فورٹ بینگ جارجیا میں تربیت دی گئی تھی۔ آئینی حکومت کا تختہ الٹنے کے اگلے سال امریکہ نے نئی غاصب حکومت کے لئے دوگنی فوجی امداد کی منظوری دی۔

ایک اور مثال:

۲ اپریل ۱۹۶۴ء کو برازیل میں فوجیوں کے ایک جتھے نے صدر جواؤ گولارٹ کی آئینی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ گولارٹ بورژوا جمہوریت پسند تھا وہ موثر اور مضبوط رہنما نہیں تھا، تاہم اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے چند معمولی قسم کی اصلاحات نافذ کرنے کی کوشش کی تھی اور برازیل میں چند امریکی تنصیبات کو قومی تحویل میں لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اس کی حکومت کا تختہ الٹے جانے پر واشنگٹن میں زبردست جشن منایا گیا۔ فوج کے ایک جنرل کی قیادت میں جب برازیل میں ایک نئی عبوری حکومت قائم ہوئی تو امریکہ نے اس کے اعلان کے بارہ گھنٹے کے اندر اندر اسے اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا اور تہنیتی پیغام ہی نہیں بھیجا بلکہ وزیر خارجہ ڈین رسک کو اس اقدام کے اگلے روز نئے حکمرانوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے روانہ کیا اور ساتھ ہی اپنے عوام کو بتایا کہ امریکہ سمجھتا ہے کہ یہ قطعی غیر قانونی فوجی اقدام آئینی حکومت کے قیام میں تسلسل برقرار رکھنے کی ضمانت دے گا۔

بعد ازاں امریکی کانگریس کی امور خارجہ کی کمیٹی کے چیئرمین نے کہا:

"بیرونی امداد کے پروگرام پر تنقید کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ برازیل کی مسلح افواج نے گولارٹ کی حکومت کا تختہ الٹا ہے اور امریکہ کی فوجی امداد کا اس اقدام میں اہم کردار ہے۔ جن افسروں نے تختہ الٹا ہے، وہ امریکی نقطہ نظر اور جمہوریت کے اصولوں سے بخوبی واقف ہیں۔ ان میں سے بیشتر افسر امریکہ میں تربیت پا چکے ہیں اور جانتے ہیں کہ جمہوریت کمیونزم سے ہر لحاظ سے بہتر ہے"۔

کمیٹی کے چیئرمین کے اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے فیلکس گرین کہتا ہے کہ اہم بات یہ ہے کہ برازیل میں کمیونزم کے آنے کا سرے سے کوئی خطرہ نہیں تھا، خطرہ اگر تھا تو بورژوا جمہوریت کے جڑ پکڑنے کا تھا اور بورژوا جمہوریت جڑ پکڑ لیتی تو ایسے سماجی حالات پیدا ہو جاتے کہ امریکہ ایک مختصر مسلح گروہ کے ذریعے ملک کی معیشت کو قابو میں نہ رکھ سکتا۔ امریکہ اپنی امداد کا یہ ہتھیار اور اپنی بھرپور طاقت تیسری دنیا کے ہر اس ملک میں استعمال کرے گا جہاں متوسط طبقہ سماجی حالات کو تبدیل کرنے کے لئے ابھر کر سامنے آئے گا۔

تھرپارکر

محبوب احمد

دیہی آبادی کو بھٹو کا حامی جان کر ستایا جارہا ہے

ہاریوں کی بیدخلیاں کوئی نئی بات نہیں۔ یہ تو ہر دور میں بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کا پیدائشی حق رہا ہے کہ جب بھی یہ زرعی غلام پیداوار میں اپنا حصہ طلب کریں۔ انہیں اپنی زمینوں سے چلتا کر دو۔ رہا قوانین کا مسئلہ تو یہ بات اس لئے بھی اہمیت نہیں رکھتی کہ پولیس، ضلعی انتظامیہ اور تمام سرکاری ادارے محض اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ ان شرفا کی ملکیت کا تحفظ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ سندھ کے دیہی علاقوں میں ہاری آدھ بٹائی اور دیگر آئینی حقوق سے محروم ہیں۔ اگر کبھی اس بدقسمت طبقے کے لوگ اپنے حقوق کی بات کرنے لگتے ہیں تو معزز زمیندار نوکر شاہی کے ذریعہ جرائم کے سدباب کے نام پر بنائے گئے قوانین کی مدد سے ان کے کس بل نکال دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ پاکستان کے قیام سے پہلے ہی جاری ہے۔ جس کا مقابلہ کرتے ہوئے دیہی محنت کش طبقے کے عظیم فرزند بالاچ شہید اور مائی بختاور نے جام شہادت نوش کیا۔

۱۹۷۱ء کے انتخابات کے نتیجے میں پاکستان کی پہلی ہی منتخب حکومت نے چونکہ محنت کش طبقہ کی معاشی آزادی کے نعروں پر انتخاب جیتا تھا اس لئے انتخابی معرکہ میں وڈیرہ شاہی کی دیہی عوام پر سیاسی بالادستی کسی حد تک کم ہوئی تھی اور پیپلز پارٹی میں پارٹی کی اعلیٰ قیادت پر وڈیرہ کی عمل دخل کے ساتھ ہی ساتھ دیہات کے پڑھے لکھے درمیانے طبقہ کے لوگوں کی پارٹی کی علاقائی سطح پر کسی حد تک گرفت ہوئی تھی جس کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کی خواہش کی تکمیل کے لئے دیہات کا درمیانہ طبقہ کبھی وڈیروں کی کاسہ لیسی اور کبھی دیہی محنت کشوں کے حقوق کی محافظت کے دہرے معیار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے وسائل میں حسب حیثیت اضافے کے ساتھ ہی ساتھ وڈیروں کے معاشی، سیاسی، سماجی جبر و ظلم کے خلاف دیہی محنت کشوں کی اجتماعی طبقاتی قوت کو اپنے مفاد کے لئے ہی سہی کسی حد تک منظم کرنے کا باعث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو حکومت کے سابقہ دور میں ہاریوں کی بیدخلیوں کے ساتھ ساتھ بیدخلیوں کے خلاف مزاحمت کا جذبہ بھی پیدا ہوا اور پیپلز پارٹی کے زبانی

دعدوں اور دیہی محنت کشوں پر اس پارٹی کی وڈیرہ کی قیادت کے ظلم و جبر کی وجہ سے دیہی محنت کشوں میں آزاد طبقاتی تنظیم کاری کا شعور پیدا ہوا اور اس مظلوم طبقے کو جو اس ملک میں اسی فیصد سے کسی طرح کم نہیں اپنے دشمن، جاگیردار اور شہروں میں ان کی پیداوار کو سستے داموں خریدنے والے مسلم بنیوں کے علاوہ ان کی مددگار کامورا شاہی کی طبقاتی خصلت کا بھی کسی حد تک ادراک ہوا ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ اس کے باوجود بھی سندھ کے مفلوک الحال دیہی محنت کش ذوالفقار علی بھٹو کو اس لئے اپنا لیڈر تصور کرتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق وہ ایک ایسا عوام دوست انسان تھا جو بیک وقت جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے مظلوم طبقے پر ظلم کے خلاف نبرد آزما تھا۔

بھٹو صاحب سے اقتدار چھیننے کے بعد موجودہ برسراقتدار گروہ نے دیہات کے اسی فیصد عوام کو بھٹو اور پیپلز پارٹی کا غیر مشروط حامی تصور کرتے ہوئے اس کے خلاف جو انتقامی کاروائیاں شروع کی ہیں۔ ان میں ہاریوں کی بے دخلیوں کے ساتھ ساتھ خوشحال کسانوں کی زمین کی ملکیتوں سے اخراج اور اس کو بھٹو حکومت کی دھاندلیاں قرار دے کر من مانے قانونی تحفظات فراہم کرنے کی وجہ سے سندھ کے دیہات میں رہی سہی بھٹو مخالفت بھی دفن ہو چکی ہے مگر یہ ساون کے اندھے پھر بھی باز نہیں آئے آج بھی ہاریوں اور دیہی عوام سے انتقامی کاروائیوں کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔ مگر وقتی طور پر ان کی مزاحمتی طاقت ہنگامی قوانین کے ذریعہ مفلوج کر دی گئی ہے۔

یوں تو بے دخلیوں اور زمین کی چھین جھپٹ کا کاروبار اس قدر بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے کہ آزاد اخبارات و جرائد پر بھی پابندی کے باوجود کسی نہ کسی طرح تک خبروں اور تبصروں کی شکل میں جو کچھ بھی شائع ہوتا ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے مگر پچھلے دنوں قومی اتحاد کے ایک غیر منتخب وزیر غفور احمد نے حیدرآباد میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ سندھ کے دیہات میں بھٹو حکومت کے خاتمہ سے عوام نے سکون کا سانس لیا ہے اور دیہی عوام حکومت سے تعاون کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف نے بھٹو حکومت میں ہاریوں سے چھینی ہوئی زمین کی واگذاری کے لئے اقدامات کا اعلان بھی کیا ہے۔ جب کہ بے دخلیوں اور زمین کی ملکیتوں سے مظلوم طبقوں کو محروم کئے جانے کی کاروائیاں اس دور میں ہو رہی ہیں۔ اس کا ثبوت ذیل کے تازہ واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

پچھلے دنوں تھرپارکر کے بارانی علاقہ تھر کے تعلقہ ڈیپلو کی گوٹھ گرڑا میں امین احمد نوہڑی نے بارش کے بعد اپنی زمین پر حسب قاعدہ باجرہ اور گوار کی بوائی کی اور دن رات کی محنت سے فصل تیار کی جب فصل تیاری کے تمام مرحلے طے کر کے کھرے کی شکل میں ڈھیر ہو گئی تو رات کو علاقے کے ایک بااثر وڈیرے کے آدمی اٹھا کر لے گئے۔ امین احمد نے اس چوری کی رپورٹ تعلقہ ڈیپلو کے ایس ایچ او کو تعلقہ تھانہ میں درج کرائی۔ ایس ایچ او تعلقہ ڈیپلو نے رپورٹ درج کرانے کے کچھ دن بعد امین احمد نوہڑی کو انکوائری کے بہانے تھانے بلا کر گرفتار کر لیا۔ امین نوہڑی کا کہنا ہے کہ چونکہ اس چوری میں ارباب امیر حسین دلچسپی لے رہے ہیں جو ۷۷ء کے الیکشن میں قومی اتحاد کے امیدوار تھے یہی وجہ ہے کہ اسے انکوائری کے بہانے بلا کر حوالات میں بند کر دیا گیا۔ امین احمد کے رشتے داروں نے مختارکار کورٹ سے اسے ضمانت پر رہا کرا لیا تھا۔ مگر اس نے اپنی گم شدہ فصل کی بازیابی کے لئے بھاگ دوڑ کی اور علاقے کے ایک سماجی کارکن مولانا عبدالرحیم لونڈ کی مدد سے قانونی چارہ جوئی کے چکر میں پڑ گیا اس کے ساتھ ساتھ عبدالرحیم نے اس سلسلے میں مارشل لاء کے وزیر میر علی احمد تالپور کے دورے کے دوران چھڈو شہر میں امین احمد نوہڑی کو میر صاحب کی خدمت میں پیش کر کے اس کی روداد سنائی اور فصل کی واگذاری کا مطالبہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ امین احمد اور اس کے ساتھیوں

چوری کی رپورٹ درج کرانے والے کو گرفتار کر لیا گیا

کو فوجداری دفعہ ۱۰۹ اور ۱۱۰ میں پھنسانے کی کاروائی ہو رہی ہے اور موصوف فصل کی واپسی کی کوششوں سے تائب ہو کر اپنے بچاؤ کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی مدد کرنے والے مولانا عبدالرحیم لونڈ اور امیر علی لونڈ کی گرفتاری کے لئے ڈیپلو پولیس سرگرم ہے جب کہ ہر دو افراد نے ۲۱ یا ۲۲ دسمبر ۱۹۷۸ء کو سیشن کورٹ میر پور خاص میں ضمانت قبل از گرفتاری کی درخواست کی ہے معلوم ہوا ہے کہ مولانا موصوف پر بھی دفعہ ۱۱۰ لاگو کیا گیا ہے جو آج کل بائیں بازو کے ہاری کارکنوں اور پیپلز پارٹی کے لوگوں کے لئے مخصوص ہے۔

دوسرا واقعہ تعلقہ سامارو کے اکڑی شہر اور بچہ بند دیہہ کارو کے ہاریوں کے ساتھ پیش آیا ہے۔ جس میں ان کا ہمدرد ایک چھوٹا کسان بھی شکار ہو گیا ہے۔ اس علاقے کے ایک بااثر زمیندار اسحاق ابڑو کے خلاف ایک پریس کانفرنس میں اس کے ہاریوں۔ اسمٰعیل ماچھی، خوشحال داس، ٹیکم داس، محمد علی ماچھی، خیر محمد، اللہ بچایو، جان محمد شر اور محمد رفیق، قاضی احمد علی، محمد رحیم، ناصر احمد نے شکایت کی کہ اسحاق ابڑو اور اس کے بھائی نے جب سے اس علاقے میں زمین مقاطع (ٹھیکہ) پر لی ہے۔ نہ صرف ہاریوں کو بیدخل کرنے میں مصروف ہے بلکہ اس علاقے کے چھوٹے کاشت کاروں کے لیے بھی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ چونکہ مذکورہ زمیندار کافی اثر و رسوخ کا مالک ہے جس کی وجہ سے ہاریوں کو جھوٹے الزامات کے تحت گرفتار کروا کر جیل بھجوانے کے بعد ان کے بال بچوں کو سر زمین سے اٹھانے کی کوشش کی مگر علاقے کے چھوٹے کاشت کاروں اور پڑوسی زمین پر کام کرنے والے ہاریوں کی مدد سے اس کو ناکام بنا دیا گیا۔ تو موجودہ گندم کی فصل کی بوائی کے لئے بیج اور کھاد فراہم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی حسب قاعدہ اس سال سرکاری کاغذات (خسرہ گرداوری) میں ہاریوں کا نام تپہ دار سے مل کر درج نہیں ہونے دیا۔ حالانکہ تپہ دار کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ سر زمین پر آکر دیکھے اور کھیتی باڑی کرنے والے ہاریوں کا نام خسرہ گرداوری میں درج کرے اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مذکورہ زمیندار سرکاری کاغذوں میں ان ہاریوں کو غیر حاضر دکھا کر قانونی طور پر بیدخل کر دے۔

ان ہاریوں کی مدد کرنے والے ناصر احمد کا کہنا ہے کہ چونکہ میں ابتدا ہی سے ان ہاریوں کی مدد کر رہا تھا۔ اس لئے زمیندار نے اس کے پڑوس میں جو اراضی کا تھوڑا سا ٹکڑا تھا جس پر میں کھیتی باڑی کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا تھا اس میں پانی چھوڑ کر اس کو پیداوار کے لئے ناکارہ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کی کپاس کی کھڑی فصل بھی تباہ کر دی ہے جس کی وجہ سے میں مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال رہا ہوں۔

پریس کانفرنس میں مذکورہ افراد نے حکام بالا سے مطالبہ کیا ہے کہ اس علاقے کے لوگوں کو اگر اس ظلم سے نجات دلانے کے لئے فوری کاروائی نہ کی گئی تو متاثرہ افراد جنوری ۱۹۷۹ء میں ڈپٹی کمشنر تھرپارکر کے دفتر کے سامنے بھوک ہڑتال کریں گے اور یہ بھوک ہڑتال اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ مسئلہ حل نہ ہو جائے۔ ●

جھوٹ کے نئے ریکارڈ قائم کرنے کا تجربہ ہو رہا ہے

فاروقی صاحب! بتایئے مخالف اخبارات کو سرکاری دفاتر میں کس نے بند کیا ہے

○○○○○○○○○○○○○○○

نمائندہ ذوالفقار

مارشل لاء کے زیر سایہ سول کابینہ میں شامل جماعت اسلامی نے مجدد سیدی مودودی کے افکار کے مطابق جس میں مصلحتاً جھوٹ بولنے کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ دن کو رات اور رات کو دن قرار دینے میں سارے وسائل کو جھونک دیا ہے اطلاعاً عرض ہے کہ وہ یہ کام غیر شعوری طور پر نہیں بلکہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کر رہی ہے اس کی حکمت عملی یہ ہے کہ حکومت میں شمولیت کا نادر موقعہ بار بار نہیں ملا کرتا چنانچہ حکومت میں جماعت اسلامی کی جزوی شمولیت سے فائدہ اٹھا کر آئندہ کی راہ مکمل طور پر ہموار کی جائے یہی وجہ ہے کہ جماعت اسلامی کے وزرار اور امرار ماضی کے جھوٹ کے سارے ریکارڈ توڑ کر جھوٹ کے نئے ریکارڈ قائم کرنے کا تجربہ کر رہے ہیں ایک بڑا جھوٹ امیر جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے ٹی وی کے انٹرویو میں بولا تھا کہ ملک میں امن چین ہے خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہے اشیاء کی قیمتوں میں استحکام پیدا ہو گیا ہے اسمگلنگ، اقربا پروری، رشوت ستانی اور جرائم ختم ہو گئے ہیں اور عوام کو ہر چیز مقررہ قیمت پر دستیاب ہے۔

دوسرا بڑا جھوٹ اسی جماعت سے تعلق رکھنے والے وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات محمود اعظم فاروقی نے امریکہ، برطانیہ کے دورے کے دوران بولا کہ پاکستان میں تحریر و تقریر پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ ذرائع ابلاغ مکمل طور پر آزاد ہیں اور ابلاغ عامہ کو اتنی آزادی دی گئی ہے کہ گذشتہ ۳۰ برسوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

پاکستان میں آج اخبارات، جرائد، ریڈیو اور ٹی وی کتنے آزاد ہیں اس کا اندازہ ہر شہری ریڈیو ٹی وی کی نشریات اور اخبارات دیکھ کر بخوبی لگا سکتا ہے ہمیں سابقہ حکومت سے شکوہ ہے کہ اس نے ابلاغ عامہ کو تباہ کر دیا تھا یہ ادارے صرف پیپلز پارٹی کی تشہیر کے لئے مخصوص تھے لیکن کیا آج کے حالات ہماری نگاہوں سے چھپے رہ سکتے ہیں متعدد اخبارات اور جرائد بند کر دیئے گئے۔ اپوزیشن کے اخبارات و جرائد پر سنسرشپ ہے جو نکل رہے ہیں وہ سرکولیشن کو رو رہے ہیں ٹرسٹ کے اخبارات اور سندھی کا سب سے بڑا اخبار ہلال پاکستان کی تعدادِ اشاعت اس قدر گھٹ چکی ہے کہ ان اخبارات کا وجود اور ملازمین کا روزگار خطرے میں پڑ چکا ہے اپوزیشن کے خیالات پیش کرنے والے اخبارات اور جرائد پر اشتہارات کا دروازہ مکمل طور پر بند ہے اور وزرار کی قصیدہ گوئی کرنے والے اخبارات اور ہفت روزوں پر انعام و اکرام کی بارش ہی نہیں ہو رہی ہے بلکہ ان کے اشتہارات کی قیمتوں کی شرح میں بھی اضافہ کر کے ان کی بقا کے دن بڑھائے جا رہے ہیں اخبارات کی جماعتی آزادی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ الفتح اور اس کے آٹھ مطبوعات پر پابندی عائد کی جا چکی ہے حکومت اور اس کے وزرار پر نکتہ چینی کرنے والے دیگر اخبارات اور جرائد بھی کم و بیش ایسی ہی پابندیوں اور آزمائشوں سے گذر رہے ہیں۔ اپوزیشن کے اخبارات کے خلاف انتقامی کارروائیاں یہیں تک رہتیں تو صبر کیا جا سکتا تھا مگر جماعت اسلامی کی انتقام میں ڈوبی ہوئی روح کی پیاس بھلا ان کارروائیوں سے کہاں بجھ سکتی ہے اس نے مزید آگے بڑھ کر وار کیا ہے تاکہ میدان میں اس کی مخالفت کرنے والے نہ رہیں اور وہ اپنے "مخصوص اسلام اور عوام دشمن نظریات" کسی روک ٹوک کے بغیر پھیلا سکے۔

باوثوق ذرائع کے مطابق جماعت اسلامی کے پروپیگنڈہ سیل نے حکومت کو اپوزیشن کے اخبارات و جرائد کا گلا گھونٹنے کی جو تجاویز پیش کی ہیں ان میں مشورہ دیا گیا ہے کہ ہفت روزہ الفتح کو (جس پر پابندی عائد ہے) اور اس کے مطبوعات پرچیات اور ذوالفقار، مساوات، تعمیر امن نصرت، عبرت آزاد اور اعلان کا داخلہ سرکاری ایجنسیوں کارپوریشنوں، خود مختار اداروں اور ماتحت دفاتر میں بند کر دیا جائے جماعت اسلامی کے پروپیگنڈہ سیل کی تجاویز کے مطابق ان میں سے بعض جرائد مختلف ناموں سے بھی شائع ہو رہے ہیں جن میں بیان کردہ حقائق سے عوام میں جماعت اسلامی اور حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات پھیلتے ہیں اور لوگ ان حقائق کو ایک دوسرے تک زبانی بھی پہنچانے لگے ہیں بائیں بازو کے خیالات رکھنے والے اخبارات اور جرائد ان دنوں عوام میں بے حد مقبول ہیں جبکہ سرکاری ترجمان اخبارات کی سرکولیشن بڑی تیزی سے گر رہی ہے اس وجہ سے اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ یہ اخبارات اور جرائد عوام کے وسیع حلقے میں اپنا اثر پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ متوقع "خطرات" سے نمٹنے کے سلسلہ میں جہاں متعدد تجاویز پیش کی گئی ہیں وہاں اس تجویز پر بھی عمل کیا جائے کہ تمام سرکاری غیر سرکاری اداروں لائبریریوں اور تفریح گاہوں میں مطالعہ گاہوں میں ان کے داخلے پر مکمل اور سختی سے پابندی لگا دی جائے۔

جماعت اسلامی نے اپوزیشن کے اخبارات و جرائد کی آواز دبانے کی دوسری تجویز یہ پیش کی ہے کہ یونین کمیٹیوں محلہ کمیٹیوں اور رہا کردوں کے "اپنے ارکان" سے کہا جائے کہ وہ علاقائی اجتماعات اور نجی محفلوں سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو مشورہ دیں کہ ان اخبارات اور ہفت روزوں کا مطالعہ ترک کر دیں گھروں میں ان اخبارات و جرائد کی جگہ سرکاری ترجمان اخبارات اور جماعت اسلامی کے پرچے پڑھنے کی ترغیب دی جائے جہاں دھونس اور دھمکی کی ضرورت ہو وہاں اس کے استعمال سے بھی گریز نہ کیا جائے باوثوق ذرائع کے مطابق ان تجاویز پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے۔

یہ ہے جماعت اسلامی کی تحریر و تقریر کی آزادی کی ادنیٰ مثال اور اس کے وفاقی وزیر اندرونِ ملک ہی نہیں امریکہ اور برطانیہ جیسے ترقی پذیر ممالک میں جہاں کے لوگ ہم سے زیادہ ہمارے بارے میں اطلاعات اور معلومات رکھتے ہیں فرماتے ہیں کہ پاکستان میں اخبارات بالکل آزاد ہیں اور ابلاغ عامہ پر کوئی پابندی نہیں کسی نے سچ کہا ہے کہ جھوٹ بولنے والوں سے سچ کی توقع رکھنا عبث ہے۔

پاکستان عوامی تحریک (پنجاب) قومی محاذ آزادی (لاہور) کی مشترکہ پریس کانفرنس

سانحۂ ملتان

مجرمانہ خاموشی کیا ظاہر کرتی ہے

ذوالفقار رپورٹ

۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں جس بے دردی سے بے گناہ اور نہتے مزدوروں کا قتل عام کیا گیا، پاکستان کی تاریخ میں سیاہ ترین دن کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ڈیڑھ سو مزدوروں کو شہید اور سینکڑوں کو شدید زخمی کر کے انتظامیہ اور پولیس نے بے رحمی اور بربریت کا نیا باب رقم کیا۔ محنت کشوں کی آواز کو ایسے بے رحمانہ طریقے سے کچلنے کے خلاف ہر عوام دوست نے آواز احتجاج بلند کی۔ محنت کشوں میں بے چینی اور غم و غصہ کی لہر کو بھانپتے ہوئے ملتان کی انتظامیہ نے مزدوروں کے کچھ قاتلوں کے خلاف نیم دلانہ کارروائی کی مگر اصل مجرم ملز مالک کو بری الذمہ قرار دے دیا۔ اے سی ملتان کو معطل کر دیا گیا، تھانیدار اور ملز کے دو افسروں کو گرفتار کر کے اس وقت کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب نے یہ یقین دہانی کرائی کہ مزدوروں کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی اور اس سانحہ کے اصل محرکات معلوم کرنے کے لئے ایک بریگیڈیئر کی سربراہی میں تحقیقاتی کمیٹی قائم کر دی گئی تھی۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز اور پاکستان بھر کے مزدوروں کا مطالبہ تھا کہ قاتلوں کے خلاف فوراً مقدمہ چلا کر انہیں سزائے موت دی جائے اور تحقیقاتی کمیٹی میں مزدوروں کے نمائندوں کو بھی شریک کیا جائے یا ہائیکورٹ کے جج کی سربراہی میں انکوائری کمیٹی قائم کی جائے مگر مزدوروں کے مطالبات پر کان نہ دھرا گیا۔ سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد قاتلوں کو رہا کر دیا گیا۔ حقائق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عوام کے غم و غصہ کو بھانپتے ہوئے حکومت نے قاتلوں کو اپنے تحفظ میں لے لیا تھا تاکہ وہ مزدوروں کے غیض و غضب کا نشانہ نہ بن سکیں۔

آج اس سانحہ کو گزرے ایک سال کی مدت ہو گئی ہے مگر اس پر حکمرانوں کی زبان چپ ہے۔ اتنے بڑے قومی المیے پر مجرمانہ خاموشی کیا ظاہر کرتی ہے۔ ایک نواب کے قتل پر ساری حکومتی مشینری حرکت میں آ گئی مگر لاتعداد مزدوروں کی شہادت پر کسی کارروائی سے گریز کیا گیا۔ ایک طرف "نظام اسلام" اور "نظام مصطفےٰ" کے بلند بانگ دعوے کئے جا رہے ہیں جس کی عملی مثال سانحہ ملتان پر حکومت اور اسلامی نظام کی علمبردار جماعتوں کی مجرمانہ خاموشی ہے۔ درحقیقت اسلام کے مقدس نام پر ناانصافی جبر و استبداد، معاشی نابرابری اور

شریعت بنچوں کے قیام کا فیصلہ منسوخ کیا جائے

استحصال کے نظام کو تقویت دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ گزشتہ ایک سال کے حالات اور واقعات ان حقائق کی تصدیق کرتے ہیں۔ پاکستان عوامی تحریک اور قومی محاذ آزادی سمجھتے ہیں کہ ملتان میں مزدوروں کے قتل عام کے پیچھے ایک گہری سازش کار فرما تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ قتل و غارت گری سے محنت کشوں کی تحریک کا گلا دبا دیا جائے اور سرمایہ داروں کو استحصال لوٹ کھسوٹ اور ظلم کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے مگر "تاریخ شاہد ہے کہ جبر کی طاغوتی طاقتوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور فتح و کامرانی نے عوام کے قدم چومے"۔

آج عوام بے یقینی اور تذبذب کے عالم سے دوچار ہیں سیاسی اور شہری آزادیوں پر پابندی عائد ہے۔ بنیادی حقوق سلب کر لئے گئے ہیں۔ چھوٹے صوبوں کے عوام میں بے چینی شدت سے بڑھ رہی ہے اور وفاق پاکستان پر ان کا اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔ کوڑوں کی سزاؤں، دہشت گردی اور سنسر شپ نے حالات کو ابتر بنا دیا ہے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی نے غریب عوام کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔ عوام گھٹن اور جبر کی فضا میں سانس لینے پر مجبور ہیں جبکہ پاکستان پر لاچاری اور بے بسی کا عالم طاری ہے۔ ان حالات میں غیر منتخبہ حکومت کا مزید برسر اقتدار رہنا ملک میں مزید الجھنوں اور مشکلات کو جنم دے گا۔ نام نہاد سول کابینہ کا ڈرامہ بھی عوام کے لئے قطعاً ناقابل قبول ہے کیونکہ عوام موجودہ حکمرانوں اور نام نہاد اسلامی جماعتوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ عوام کے اعتماد پر قائم ہونے والی حکومت ہی پیچیدہ اور مسائل سلجھانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ شہدائے ملتان کی پہلی برسی کے موقع پر قومی محاذ آزادی اور پاکستان عوامی تحریک موجودہ نازک اور غیر یقینی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں کہ :-

۱ : کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے مزدوروں کے قاتلوں کو فی الفور گرفتار کیا جائے اور انہیں قتل عام کے جرم میں سزائے موت دی جائے۔ برطرف مزدوروں کو بحال کیا جائے۔ چھانٹیاں برطرفیاں تالہ بندیاں اور انتقامی کارروائیاں بند کی جائیں۔

۲ : نام نہاد سول حکومت کو ختم کیا جائے۔ انتخابات کی حتمی تاریخ مقرر کر کے عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات کرائے جائیں اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپا جائے۔ عوام کس قسم کا نظام حکومت چاہتے ہیں اس کا فیصلہ منتخب نمائندے ہی کر سکتے ہیں۔ حالیہ ترمیم شدہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ منسوخ کیا جائے کیونکہ کسی پارٹی پر پابندی لگانے کا حق کسی غیر نمائندہ حکومت کو حاصل نہیں ہے۔ سیاسی جماعتوں کی مقبولیت یا عدم مقبولیت ہی ان کے وجود کو عوام میں زندہ رکھ سکتی ہے۔

۳ : مارشل لاء عدالتوں، نااہلی کے ٹریبونلوں اور تمام خصوصی عدالتوں کا خاتمہ اور نام نہاد احتساب کے غیر جمہوری طریقے کا خاتمہ

کیا جائے۔

۴ : بائیں بازو سے تعلق رکھنے والی سیاسی جماعتوں کو ٹیلیویژن، ریڈیو پر اپنے خیالات اور نظریات کا براہ راست اظہار کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۵ : سینٹو سے فوری طور پر علیحدگی اختیار کی جائے اس معاہدے کے ذریعے امریکہ پاکستانی افواج کو شاہ ایران کی پشت کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

۶ : صوبائی نابرابری کی تمام شکلیں ختم کی جائیں چھوٹے صوبوں کا وفاق پاکستان پر اعتماد بحال کرنے کے لئے مکمل صوبائی خودمختاری کے اصول پر عمل کیا جائے اور مختلف صوبوں کے ذرائع پر متعلقہ صوبے کا حق تسلیم کیا جائے۔

۷ : شریعت بنچوں کو ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار سے نکال کر اعلےٰ عدالتوں کی آئین اور قانون کی بالادستی برقرار رکھنے کی حیثیت متاثر ہوئی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ کی موجودگی میں شریعت بنچوں کے قیام کا فیصلہ نامناسب ہے اس سے عدلیہ کی آزادی اور خودمختاری متاثر ہوگی۔ شریعت بنچوں کے قیام کا فیصلہ فی الفور منسوخ کیا جائے۔

۸ : مزدور رہنما بشیر ظفر، لقمان مرزا، صحافی حسین نقی، طالبعلم راہنما خواجہ رشید انجم۔ جان عالم اور تمام سیاسی کارکنوں، مزدوروں ہاریوں اور طلباء کو رہا کیا جائے اور مقدمات واپس لئے جائیں۔

ماضی کے کل کا آنے والے کل سے موازنہ کرو

کوڑے، فائرنگ، صحافی تحریک پر تشدد کو کیا نام دو گے

لاہور کی گلیوں سے پوچھو ظالم تاری ہے یا بھٹو

اصل ظلم آج ہو رہا ہے کل اسی کی داستان سننا

ابلاغِ عامہ کے قومی ادارے ریڈیو اور ٹیلی ویژن برسر اقتدار افراد، بالخصوص جماعت اسلامی کے پروپیگنڈے کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے ہیں۔ جمعرات ۴ جنوری سے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے "ظلم کی داستانیں" کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں سابقہ دور میں ہونے والے مظالم کے جھوٹے سچے واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔ پہلے پروگرام میں جماعت اسلامی نے مصطفےٰ کھر کے سابق دست راست مانتخار احمد تاری کو جن کی لاہور میں اپنی داداگیری ضرب المثل بن چکی ہے، پیش کرنے کا فخر حاصل کیا دلائی کیمپ میں ان پر توڑے جانے والے مظالم سے قطع نظر دیکھنے اور سننے کی اصل چیز تفہیم القرآن سے گہری رغبت اسلام اور پنجگانہ نماز کی بار بار تکرار نے اس ڈرامے کے اصل پروڈیوسروں کے چہرے سے نقاب سرکا دیا۔ ہمارا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ اسلام اور پنجگانہ نماز کا ذکر نہ کیا جاتے، لیکن جب کوئی دل کی گہرائیوں کی بجائے کسی مقصد کے حصول کے لئے ان مقدس الفاظ کو بار بار دہراتا ہے اور زور دیتا ہے تو یہ سمجھنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ دراصل اپنے چہرے پر لگی ہوئی جھوٹ کی کالک دھو رہا ہے۔

اس غیر دلچسپ ڈرامے کا وہ حصہ واقعی دلچسپ تھا جس میں انتخار تاری نے ایک گردوارے کی تاریک کوٹھری کی ایک کھڑکی یا بڑے سے سوراخ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس میں سے چوہے نکل کر کوٹھری اور چارپائی پر اُچھلتے کودتے پھرتے تھے یہ چوہے حکومت کی مرضی سے آتے اور جاتے تھے۔" واقعی یہ سن کر کلیجہ شق ہو گیا اور آنکھیں ٹپ ٹپ نم ہوگئیں۔ بھٹو اور پیپلز پارٹی کی حکومت کتنی ظالم تھی کہ اس نے چوہوں کو بھی اذیت رسانی کے لئے تربیت دے رکھی تھی۔

خیر یہ تو تنومند انتخار تاری پر مظالم کا دل ہلا دینے والے ڈرامے کا ایک حصہ تھا۔ پورے ڈرامے پر تبصرہ کا ارادہ ترک کر کے ہم اصل مقصد پر آتے ہیں۔ یہ بات عام شہریوں کے لئے بھی حیرت انگیز اور تشویش کا باعث ہے کہ اس وقت جب کہ سپریم کورٹ میں مسٹر بھٹو کی اپیل فیصلے کے مرحلے میں پہنچ چکی ہے کیا ریڈیو اور ٹی وی میں اس قسم کی سیریز شروع کر کے فیصلے کو متاثر کرنے کی ارادتاً کوشش نہیں کی گئی ہے اور اگر ہے تو وفاقی وزیر اطلاعات اور حکومت نے اس کو پیش کرنے کی اجازت کس طرح دی؟ اس کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیوں کیا گیا جب کہ ہفتہ عشرہ میں مسٹر بھٹو کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے؟

ہم اس بات کے حامی ہیں بلکہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ظالموں سے ایک ایک ظلم کا حساب لیا جائے ایک ایک جسم اور ایک ایک قطرے خون کا مواخذہ کیا جائے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ قیام پاکستان سے آج تک فائرنگ سے کسانوں، مزدوروں اور طلباء کی اموات ہوئی ہیں ان کا حساب کیا جائے۔ شہید حسن ناصر کے لہو کا حساب دیا جائے۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز کی قیامت کو بھی ریڈیو اور ٹی وی سے پیش کیا جائے۔ شہید مزدوروں کی ماؤں، بیویوں، بیٹیوں، بہنوں اور ان کے یتیم بچوں کو بھی ٹی وی پر پیش کیا جائے اور ان کے تاثرات دکھائے جائیں کہ یتیمی کے بعد ان پر کیا گزر رہی ہے۔ ان سیاسی کارکنوں کو دکھایا جائے جن کی پیٹھوں پر کوڑے کے گہرے زخم رس رہے ہیں۔ ان صحافیوں کو پیش کیا جائے جن پر کوڑے برسائے گئے، تشدد کیا گیا اور جیل کی کال کوٹھریوں میں بھوک پیاس سے مارا گیا۔ ان ہاریوں کا انٹرویو نشر کیا جائے جن کو گرفتار کر کے سیلوں میں ٹارچر کیا گیا۔ زمینوں سے بے دخل کیا جا رہا ہے اور جن کی بیویوں اور بیٹیوں کو دن دہاڑے اغوا کیا جا رہا ہے۔

ان تمام ترقی پسندوں اور روشن خیال ادیبوں شاعروں، دانشوروں اور فنکاروں کے تاثرات ریڈیو اور ٹی وی سے پیش کئے جائیں جن کو جماعت اسلامی

اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر بے روزگاری کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا رہی ہے۔ اغوا، چوری، قتل اسمگلنگ بے روزگاری اور مہنگائی کے چہرے دکھائے جائیں کہ عوام ان لعنتوں کے ہاتھوں روزانہ قتل ہو رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے یہ ساری چیزیں نہیں دکھائی جائیں گی، کیونکہ اس کے اصل چہرے بے نقاب ہوتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ آنے والا کل "آج" نہ رہے اور اس سوال کا جواب مل جائے۔

آپ بنیادی حقوق قانون میں تلاش کر رہے ہیں انہیں انسانوں میں تلاش کیجئے!

بقیہ: جسٹس کیانی

اپنی زمینی رہائش گاہ پر نظر رکھتی ہے اور اس طرح زمین و آسمان کے متصل نکات سے مخلص ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ متصل نکات ہمیشہ ثابت کئے جا سکتے ہیں۔ چاہے وہ نظریوں میں ہوں، خارجی تعلقات میں یا اسمگلنگ میں۔ اس طرح یہ خیال کہ ملک کی عدلیہ کو آزاد ہونا چاہیئے۔ برطانوی نظام کے ذریعے ہندوستان اور پاکستان میں اسمگل ہوا ہے، گو کہ وہ اس سرزمین کے لئے اجنبی ہے۔ اور کبھی کبھار، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ، یہ کوشش رہی ہے کہ اسے گھٹا کر تیسرے درجے کی طاقت بنا دیا جائے۔ ہم میں سے بعض کو تو یہ کہتے ہوئے شرمندگی بھی نہیں ہوتی۔ لیکن ہم میں اکثر لوگوں کے اندر اس خیال کی اتنی گہری پیوندکاری ہوئی ہے کہ شاید ہی کسی کو یہ کہنے کی جرأت ہو کہ عدلیہ کو آزاد نہیں ہونا چاہیئے۔ مسٹر بختیار کو ضرورت نہیں تھی کہ وہ اس نکتے پر مجھے کوئی خراجِ تحسین پیش کرتے۔ گو کہ اگر وہ پیش نہ کرتے تو اس سے میں یہ سوچنے پر مجبور ہوتا کہ کہیں یہ مجھے یہ اطلاع دینے کا منفی انداز تو نہیں ہے کہ میں نے عدلیہ کی آزادی کو برقرار رکھنے کی مضبوطی کے ساتھ کوشش نہیں کی ہے جناب۔ ایسے الفاظ کا استعمال جن سے یہ مطلب نکلے کہ جسمانی تعلق سے میں مضبوط ہوں، غلط بیانی ہے۔ اور اسی خیال کو ظاہر کرنے والا کوئی استعارہ بھی متناقض ہوگا۔ میں اکثر اس پریشاں خیالی کا شکار رہا ہوں اور یہ خواب دیکھے ہیں کہ میں ایک برف سے ڈھکے ہوئے ملک میں ہوں، پہاڑوں کے بالکل بیچوں بیچ اور میری پشت پر ایک برف کا تودہ ہے اور میں نے اپنے کمزور بازو پھیلائے۔ اس مرحلے پر قانون کے بازوؤں کی علامت کے طور پر۔ تاکہ برف کے تودے کو روکوں۔ اور برف کے ڈھیر میرے بازوؤں اور سر پر گر رہے ہیں۔ اور اذیت میں چلا رہا ہوں کہ عمومی دائرہ اختیار کی عدالت، خصوصی دائرہ اختیار کی عدالت کے دائرہ اختیار کا تعین کرے۔ لیکن قانون کا ایک آدمی، قانون کا ایک بڑا آدمی، جس کی شباہت نوجسٹینین جیسی ہے مگر جس کے طور طریقے جٹنگ پلیٹ جیسے ہیں، وہ طنزیہ سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے کہہ رہا ہے "تقسیم سے قبل کی چھوٹی سی رجواڑہ ریاست کے چیف جسٹس، یہ تمہارا دردِ سر نہیں رہا" لیکن یہ ہمیشہ میرا دردِ سر رہے گا۔ میں نیم غنودگی میں میکانکی طور پر جواب دیتا ہوں۔ اور میں جاگ جاتا ہوں، میرا جسم پسینے سے تر ہوتا ہے اور اپنے ستاروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میں اب بھی اپنے بستر میں ہوں لیکن قانون کے تمام آدمی مجھ سے دور چلے گئے ہیں مسٹر بروہی کھٹمنڈو میں ہیں۔ مسٹر حیدر بگر جینوا میں ہیں یا وہ پچھلی جنوری میں کہاں تھے؟ مسٹر منظور قادر شاید اپنے بختون تفکرات کے ساتھ بستر میں تھے جب صدر نے کسی حکم پر دستخط کئے اور مسٹر ابراہیم کا ایک آپریشن ہوا تھا۔ اور اب ہمارے پاس مسٹر دوست محمد خان آف بنوں رہ گئے ہیں اور فی الوقت وہ پشاور میں ایڈووکیٹ جنرل بننے میں اتنے مشغول ہیں۔ یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ہم نے ابھی تک کسی پٹھان کو ایڈووکیٹ جنرل نہیں بنایا، صرف افغانستان کو مطمئن کرنے ہی کے لئے سہی کہ وہ سپریم کورٹ میں اپنی امیدواری کو بھلا بیٹھے وہ بیک وقت اچھے جج بھی ہو سکتے ہیں۔ اور قانون کی حکمرانی کو پرے پھینک دیا ہے۔

اور دوسرے بھلے لوگ دوسرے کاموں میں مشغول ہیں، کچھ لوگ دستور بنانے میں مشغول ہیں، کچھ افسروں کی تنخواہوں میں اور کچھ لوگ قانون کو سادہ بنانے میں، اس طرح اب میدان میں میں اور مسٹر بختیار رہ گئے ہیں مسٹر بختیار کسی حد تک مضبوط قوی (کانسٹی ٹیوشن) رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ مسلسل آئین (کانسٹی ٹیوشن) کے بارے میں بولتے ہیں اور وہ اس بارے میں خوب بول سکتے ہیں، کیونکہ ایک آئین آرہا ہے کسی قسم کا آئین آرہا ہے اور آپ چیئرمین کی یہ ضمانت قبول کر سکتے ہیں کہ اس کا تیار شدہ مسودہ نہیں ہے۔ آپ اسے ایک موقعہ دے سکتے ہیں، اس کو استعمال کر سکتے ہیں اور اس میں بہتری پیدا کر سکتے ہیں۔ اس دریافت پر کہ دو پیشہ ور وکیلوں کو بھی کمیشن میں شامل کر لیا گیا ہے مسٹر بختیار کی مسرت آمیز حیرانی نے مجھے خوشگوار طور پر حیران کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مسٹر بختیار کی حیرانی تاریخ کا حصہ بنے گی، لیکن میں توقع کرتا ہوں، کہ اس عمل کے دوران وہ خود جانتے نہیں رہیں گے، مسٹر بختیار نے دو پیشہ ور وکیلوں کے بارے میں سوچا جب کہ میں دو تبلیغ کرنے والے ججوں کی وجہ سے حیران رہ گیا یعنی وہ جج جو تبلیغ کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔ کیونکہ ایک جج کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ تبلیغ کرے اور ایک وکیل کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ عمل کرے۔ اور بہر حال عمل کرنا تبلیغ کرنے سے بہتر ہے۔ لیکن آپ کے پاس صرف ایک پیشہ ور وکیل تھے جنہوں نے آپ کے لئے ایک ریاست کی تشکیل کی۔ اس طرح آپ اب بھی ایک قدم آگے ہیں۔ اگر بہت زیادہ نہیں تو۔ اور جہاں تک بنیادی حقوق کا تعلق ہے تو مسٹر منظور قادر میری دسمبر ۱۹۵۸ء کی گذشتہ تقریر کا حوالہ دے رہے تھے جب انہوں نے آپ سے کہا کہ وہ اب بھی موجود ہیں۔ میں نے اس وقت کہا تھا کہ یہ حقوق کردار کے اعتبار سے اتنے بنیادی ہیں کہ آپ ان کے ختم ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر سپریم کورٹ نے کسی فیصلے میں آپ سے یہ کہا ہے کہ وہ موجود نہیں ہیں تو پھر سپریم کورٹ یقیناً راستی پر ہوگا اور قانون کے آدمی کی حیثیت سے آپ کو یہ یقین کرنا چاہیئے کہ وہ وجود نہیں رکھتے۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر بختیار انہیں غلط جگہ تلاش کر رہے ہیں۔ ان کے پاس نیلسن کی اندھی آنکھ نہیں ہے جو دوربین

سانپ کو صفائی کا موقع دیئے بغیر سزا دی گئی

پر رکھیں انہیں ان حقوق کو عدالتوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیئے جہاں سانپ بھی ہیں۔ انہیں ان حقوق کو انسانوں میں تلاش کرنا چاہیئے۔ مسٹر بختیار ان فیصلوں کے بارے میں اسی طرح سوچتے ہیں جیسے ان کے ایک قانونی پیشرو لاطینی فقروں کے بارے میں سوچتے تھے جو بعض فیصلوں کو ممتاز کرتے ہیں۔ ان کے پیشرو ایک جج کے سامنے ایک فیصلہ پڑھ رہے تھے اور وہاں یہ لاطینی فقرے آئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں بے وقوف بنایا جائے۔ انہوں نے جج سے کہا "جناب میں اسے نہیں پڑھ سکتا۔" "اسے چھوڑ جاؤ۔" جج نے کہا "حالانکہ آپ کے موکلوں کے تعلق سے یہ آپ کے لئے کارآمد ہے۔" اس طرح وہ اسے چھوڑ گئے۔ اس کے بعد ایک اور فقرہ آیا۔ شاید --- اور مسٹر بختیار کے پیشرو نے کہا "وہ پھر آ گئی" وہ ضرور آتی۔ پوری ایک نسل کے بعد مولوی تمیز الدین خاں کی سخت ناراضگی اور پاکستان کے لئے عظیم فتح لے کر۔ (یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے جب گورنر جنرل نے دستور ساز اسمبلی کو معطل کر دیا، جس کے اسپیکر مولوی تمیز الدین خاں تھے، اور فیڈرل کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ شہری (سول) ضرورت کی رو سے گورنر جنرل کا اقدام جائز تھا۔ مؤلف)

میں نے کہا تھا کہ آپ بنیادی حقوق انسانوں میں تلاش کریں۔ انہیں صدر میں تلاش کیجئے۔ کیا انہوں نے ڈھاکہ میں آپ سے نہیں کہا کہ آزادی سے بات کریں چاہے وہ آپ کے خیالات سے متفق نہ ہوں؟ مارشل لا کی حکومت میں آپ اسے اعلان آزادی قرار دے سکتے ہیں۔ آپ کو اسے استعمال کرنا چاہیئے اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو مسٹر چندریگر صدر کے پاس جائیں گے اور ان سے کہیں گے کہ فلاں افسران ان کی عملی عینیت پسندی میں شریک نہیں ہیں ایسے چند ہزار افراد موجود ہیں جو کپڑوں کے ایک جوڑے پر آزادی اظہار کو ترجیح دیں گے اور یہی وہ لوگ ہیں جو ایک قوم کی تشکیل کرتے ہیں۔ عدموں کے شکاری نہیں، لائسنسوں کے شکاری نہیں۔ یہاں تک کہ زمین جوتنے والے اور پانی لانے والے بھی نہیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ دیانتدار پولیس اور مستعد مجسٹریسی ہو۔ کسانوں کے حالات بہتر بنائے جائیں مزدوروں کو خوش کیا جائے۔ یہ اچھی بات ہے کہ جیک کو جل حاصل ہو۔ اور کیا آپ کو ان کے تربوز حاصل ہوں (جسٹس کیکاؤس بعض اوقات صرف تربوز پر گذارہ کرتے ہیں۔ مؤلف) اور مجھے میرے تین اسمگل شدہ سگریٹیں ملیں لیکن یہ احساس کہ آپ کسی رکاوٹ کے بغیر ایک مخلص ضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس کی سطح بہت زیادہ بلند ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ، صدر کے ڈھاکہ کے اعلان سے قطع نظر آپ محسوس کرتے ہیں کہ جب تک مارشل لا موجود ہے تقریر میں تلوار کا کھیل کھیلنا غیر محفوظ ہے۔ شاید یہ تجویز پیش کرنا غیر محفوظ نہ ہوگا کہ دستور کی تیاری میں اور ایک اعتماد کی فضا پیدا کرنے کے لئے مارشل لا کو بتدریج اٹھا لیا جائے۔ شاید چند مخصوص مقاصد کے لئے چند فوجی عدالتیں باقی رکھی جائیں اور مارشل لا کے ضابطوں کو ایک قانون میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور اس کا ملٹری کورٹس آرڈیننس جیسا کوئی نام رکھا جا سکتا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے بھگر کے ایک طوفان گرد کا ذکر کیا تھا جو ۳ ماہ

یہ اختیار چیف جسٹس کے پاس ہے

تک جاری رہا تھا اور لوگ اس کے عادی ہو گئے تھے وہ صرف اپنے کپڑے کی چادر سے گرد جھاڑ دیتے تھے اور پیلو کھانے چلے جاتے تھے۔ جناب والا۔ موثر قوانین کی کشش اور دہشت ان کی فوری نوعیت اور کم مدت میں مضمر ہے۔ اگر یہ زیادہ عرصے جاری رہیں تو یہ عام قانون بن جاتے ہیں اور اپنی دہشت کھو بیٹھتے ہیں۔ لوگ خود کو بڑے خطروں کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیتے ہیں اور نئی ایجنسی بتدریج انہی برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ وہ ان برائیوں میں زیادہ آسانی سے اس لئے مبتلا ہو جاتی ہے کہ اسے سرکاری زندگی کے بگاڑنے والے اثرات کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا بہرحال یہ افسر ہمارے بیٹے بھتیجے ہیں اور طویل مدت میں وہ ہمیں برائیوں میں پیچھے نہیں چھوڑ سکتے۔ اب لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ ان کی ضروریات کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ کم از کم میرا بیٹا نہیں کر سکتا۔ میرا بیٹا فوج میں میجر ہے۔ اور اس کے دوست کہتے ہیں کہ وہ بیش بہا دوست ہے اور میں توقع کرتا ہوں کہ وہ بیش بہا بیٹا بھی ہے۔ پچھلے ماہ جب وہ اپنے گاؤں گیا تو ہماری بوڑھی خادمہ جسے یہ پتہ ہے کہ ملک میں مارشل لا نافذ ہے، اپنی مشکلات اس کے پاس لے گئی۔ وہ گھر کے چولہے کی انچارج ہے اور ہمیشہ خانگی حکومت کے دوسرے محکموں سے خشک ایندھن چراتی ہے تاکہ اس کے لئے دھوئیں میں کمی ہو۔ اس سال کئی کئی روز تک بے وقت بارش ہوئی تھی اور خشک ایندھن نایاب تھا۔ بارش کا ذکر آیا ہے تو اس نے ہمیں یہ محسوس کرایا ہے کہ آسمانی معیشت پاکستانی معیشت سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور یہ کہ فرشتوں نے ہم سے کام ان کے موزوں وقت پر نہ کرنے کی عادت ادھار لی ہے اس خادمہ نے میرے بیٹے سے کہا۔ "چھوٹے میاں کیا آپ فوج میں سب سے بڑے افسر ہیں یا آپ سے بھی بڑا کوئی افسر ہے۔" اس نے کہا وہ سب سے بڑا افسر تھا جس حد تک کہ وہ اپنے گھر میں دیکھ سکتا تھا۔ کیا آپ کوئی حکم جاری کر سکتے ہیں۔ "شاید" اس نے کہا کہ وہ کوئی بھی حکم جاری کر سکتا ہے، کم از کم اس وقت تک جب تک کہ اس کی تعمیل نہیں کی جاتی۔" تب آپ میرے چولہے کے لئے تھوڑا سا خشک ایندھن کیوں نہیں لاتے۔" "اوہ سوہ۔" اس نے شش و پنج کے بغیر کہا۔ "یہی ایک ایسا کام ہے جو میں نہیں کر سکتا۔" "تب یہ کون کر سکتا ہے۔" اس نے ایک لمحہ سوچا۔ اسے علم تھا کہ میں چند دن میں آنے والا ہوں۔ اس نے بدنیتی سے کہا جیسے کہ ساری فوج اس کے توسط سے بول رہی ہو۔ "یہ اختیار چیف جسٹس کے پاس ہے۔" جناب والا۔ یہ غیر شعوری ستم ظریفی کی ایک مثال ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وراثت کا نقص ہے

(جاری ہے)

حاجی عدیل

دکن کے نواب کی نوازشات کی تقلید پاکستان میں جاری ہے

جنرل ضیا کے اختیارات کو فاروقی کا چیلنج

یادش بخیر!

سرزمین دکن نے بھی اپنی کوکھ سے بے مثال نوادر زمانہ پیدا کئے تقسیم ہند سے قبل ریاست دکن میں ایک نواب صاحب اپنی مثال آپ ہوا کرتے تھے ان کا شمار دکن کی معروف شخصیات میں ہوتا تھا۔ ان کے سلسلے میں مشہور ہے کہ ان کا دریا دولت ہر بے روزگار کے لئے دن رات کھلا رہتا تھا۔ بے مصرف نوکروں کی ایک فوج ظفر موج ان کی کوٹھی میں دندناتی پھرتی تھی، کسی کے ذمہ کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ ہر فرد آزاد اور ہر فرد نوکر تھا۔ نواب صاحب ان بے مصرف افراد کو نوکر رکھتے وقت تنخواہ اتنی لگاتے تھے کہ اسے سنتے ہی بے روزگار فرد کا کلیجہ پھٹتے پھٹتے رہ جاتا تھا۔ مثلاً کوئی بے روزگار قسمت کا مارا ان کے دولت کدے پر چلا جاتا تھا تو اسے ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس سے پوچھتے۔

تم بیکار ہو۔

جی ہاں سرکار۔

کیا کام کر سکتے ہو۔

جو سرکار کہیں۔

سرکار اپنے منشی جی کی طرف دیکھتے ہوئے کہتے۔

منشی جی۔ اس کا نام خدمت گاروں کی فہرست میں رکھ لو۔

سرکار اس کی تنخواہ کیا لگاؤں۔

اس کی تنخواہ؟

جی۔

لگا دو تین ہزار روپے ماہانہ۔

جی اچھا سرکار۔

سستے کے دور میں کسی شخص کی تنخواہ تین ہزار روپے لگا دی جاتے تو یقیناً اس کی حرکت قلب کو بند ہونے یا تیز ہونے سے کون روک سکتا ہے۔؟

نواب صاحب کا کوئی ملازم تین ہزار روپے سے کم تنخواہ والا نہیں ہوتا تھا۔ اس سے زیادہ تنخواہ پانے والے بھی بے شمار لوگ تھے۔ لیکن یہ ہزاروں روپے کی تنخواہیں مہینہ ختم ہونے سے چند دن قبل تک صرف چند صد روپے میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ نواب صاحب اور ان کے منشی نوکروں کے جھرمٹ میں صبح صبح چند گھنٹے اور شام چند گھنٹے گھومتے تھے اور اس دوران انہیں ہر ملازم کی ہر حرکت یعنی چلنا پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، ادب کرنا، مسکرانا، ہنسنا سلام کرنا، وغیرہ وغیرہ قابل جرمانہ نظر آتی اور نواب صاحب باری باری ہر ملازم کو اپنے نزدیک بلاتے یا خود اس کے پاس جاکر جرمانہ عطا فرماتے تھے۔ ان کے جرمانہ کرنے کا انداز کچھ یوں ہوتا۔

اے۔ ادے۔ ادھر آ۔

کیا کر رہا تھا بے۔

سرکار ایسے ہی کھڑا ہوا تھا۔

منشی جی۔

جی سرکار۔

کم رو سالے پر ایک ہزار روپے جرمانہ، یہ ایسے ہی کھڑا ہوا تھا۔

ابے او ادھر آ۔

کیا کر رہا تھا بے۔

سرکار آپ کو سلام کر رہا تھا۔

منشی جی۔

جی سرکار۔

کم رو حرامی پر دو ہزار روپے جرمانہ، یہ ہمیں سلام کر رہا تھا۔ بے وقوف کہیں کا۔

اس طرح ہر فرد پر مہینہ بھر تک جرمانے ہوتے رہتے۔ تنخواہیں جرمانوں میں ہضم ہوتے ہوتے صرف تین، چار، پانچ اور سات روپے تک پہنچ جاتیں۔ یوں ان کا کوئی ملازم سات روپے ماہ سے زیادہ تنخواہ نہیں پاتا تھا یعنی تین ہزار روپے تنخواہ والے ملازم پر نواب اور منشی مل کر ایک ماہ میں دو ہزار نو سو ستانوے روپے جرمانہ کر دیتے اور اسے تین روپے تنخواہ ادا کر دیتے۔

صاحبو!

کتنی اچھی ترکیب ہے۔ آپ کو پسند آئی، نوابی کرشمہ سازی دکن کے مذکورہ نواب کی کرشمہ سازی آج بھی جاری و ساری ہے۔ اس روایت کا تسلسل قائم ہے اور نواب صاحب کا نام اس کرشمہ سازی اور روایت کے تسلسل کے ساتھ ساتھ زندہ رہے گا۔ نواب صاحب کی "قابل تقلید روایت" کا تسلسل پاکستان میں بھی جاری ہے۔ اس کا تذکرہ جناب جوش نے اپنی کتاب "یادوں کی برات" میں کیا ہے۔ انہوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے نوازے جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے انعام واکرام کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ آپ بھی اسے پڑھیے اور سوچیے کہ جناب جوش کے پلے کیا پڑا؟

۱: پچاس ایکڑ کا باغ نقوی صاحب سے ملا مگر جواب طلبی پر واپس کرنا پڑا۔

۲: سینما و بنگلہ کے لئے زمین نقوی صاحب نے دی مگر جواب طلبی پر واپس کرنی پڑی۔

۳: پچاس ایکڑ زرعی زمین ڈپٹی کمشنر ہاشمی صاحب کا عطیہ جو الطاف گوہر نے ضبط کیا۔

۴: سائیکل رکشوں کے پرمٹ ملے مگر بازار میں
نرخ گرنے کے سبب پرمٹ ہوا میں اڑ گئے۔

۵: سوسائٹی میں سینما کے لئے پلاٹ ملا مگر کوئی
سرمایہ دار شریک نہ ہوا۔

۶: کولڈ اسٹوریج کی اجازت ملی مگر سرمایہ دار
شریک بھاگ گیا۔

۷: کنٹرول ریٹ پر بسیں مل رہی تھیں مگر سرمایہ دار
شریک بہکاتے میں آ کر منکر ہو گیا۔

۸: سینما کے ساؤنڈ سامان کا پرمٹ مل رہا تھا
کہ وزیر معطل ہو گیا۔

۹: ٹیکسٹائل مل کا اجازت نامہ ملنے والا تھا کہ وزیر
بدل گیا۔

۱۰: پریس قائم کرنے کا اجازت نامہ لکھا جا چکا
تھا کہ وزیر برخاست ہو گیا۔

۱۱: مچھلی کی تجارت کا پرمٹ لکھا جا چکا تھا کہ
سکریٹری برطرف ہو گیا۔

۱۲: ایک بنگلہ الاٹ ہوا مگر قبضہ نہ مل سکا۔

۱۳: فریئر ہال میں ریستوران کھلوانے کا وعدہ
محکم تھا مگر افسر کا تبادلہ ہو گیا۔

۱۴: نواب قزلباش ایک کارخانے کا پرمٹ
دے رہے تھے کہ اسی دن فوجی انقلاب آ گیا۔

۱۵: سہروردی صاحب نے ادبی فنڈ سے پانچ
ہزار روپے دے دیئے۔

۱۶: شائستہ اکرام اللہ صاحبہ، آفتاب احمد خاں و
زبیری صاحبان کی کوشش اور ممتاز حسن صاحب کی
عنایت سے اردو بورڈ بنا تو آٹھ نو سال کی مستقل
روزی کا بندوبست ہو گیا۔

۱۷: سیمنٹ کی ایجنسی ملی۔

۱۸: بیٹی کے نام سے آئل ٹینکر ملا۔

۱۹: اشعار کی پرانی کاپیاں نیشنل میوزیم نے
پندرہ ہزار روپے میں خرید لیں۔

۲۰: مزید مسودات کا بھی سودا ہو گیا تھا، مگر
عتاب ایوبی کے باعث سودا کھٹائی میں پڑ گیا۔

۲۱: بنگلہ کے لئے زمین الاٹ ہوئی لیکن ٹیکس میں
آ کر الاٹمنٹ خود ہی پھاڑ ڈالا۔

۲۲: بیڑی کے پتے کا لائسنس مل رہا تھا مگر اس
کے حصول کے لئے بھاگ دوڑ کرنی پڑ رہی تھی۔

قارئین کرام - پڑھا آپ نے - اس فہرست کے
حساب سے جناب جوش کو سہروردی صاحب نے ادبی
فنڈ سے پانچ ہزار روپے کی "بھیک" دی۔ اس کے
علاوہ حکومت یا نوکر شاہی کے کسی فرد کی ہر عنایت اور
نوازش جناب جوش تک پہنچنے سے پہلے پہلے ہی
اللہ کو پیاری ہوتی گئی۔ یعنی کبھی عنایت اور نوازش
کرنے والے وزیر صاحب معطل ہو گئے، کبھی سکریٹری
برخاست ہوا، کبھی افسر کا تبادلہ ہوا، کبھی سرمایہ دار
فرار ہوا، کبھی پوری حکومت تبدیل ہو گئی اور کبھی "فوجی
انقلاب" آ گیا۔ اس طرح جوش پر ہونے والی عنایات
کی بارش جرمانوں کے سنگریزوں میں تبدیل ہوتی رہی

اور جوش صاحب کی مالی حیثیت نواب صاحب کے
ملازم سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ طرفہ تماشہ یہ کہ یہ
"مالی حیثیت" بھی مودودی کے چیلوں کے سینوں پر
سانپ کی طرح لوٹ رہی ہے۔ آخر کیوں نہ لوٹے صاحب!
جوش نے جہاں مہ وشوں کے سراپے نظم کئے وہاں
"بوٹے قد کے مودودی کا سراپا بھی" یادوں کی برات
کے صفحے پر بکھیر دیا۔ قدآدم جوش یوں بھی مودودی
پرست بونوں کے لئے پیغام موت ہی ہے۔

جماعت اسلامی کے بانی نے اسلام کو اپنے
مفادات کے تابع کرنے کی مذموم حرکتیں تو دل کھول
کر کرلی ہیں لیکن علم و دانش اور ادب و شعر کے
میدان میں ان کا ایک ٹانگ کا مرغ دوڑنے کے
قابل ہی نہیں ہو سکا۔ لے دے کر ایک ماہر القادری
تھے یا اب سلیم احمد جیسے جنس زدہ، فحش نگار، نام نہاد
شاعر، "موقعہ پرست" درویش اور سڑے ہوئے
رجعت پرست ادب میں نہیں تو مودودی کی گود
میں اپنا "مقام بنانے"، مال کمانے کے لئے اسلامی
نظام کا وظیفہ پڑھنے لگے ہیں۔ اور اپنی تکنیکوں میں
اضافہ کرنے کے لئے جوش صاحب کی شخصیت
پر کیچڑ اچھالنے کی مشق کر رہے ہیں۔ اس سے
قبل سلیم احمد نے مرزا غالب کو بھی گالیوں سے
"تراش تراش کر اپنے" بونے قد کے برابر کرنے کی
بھونڈی کوشش کر کے اپنے جہل کا مظاہرہ کیا تھا۔

صاحبو!

گزشتہ حکومتوں اور افسران کی عنایات کی طرح
موجودہ حکومت نے بھی جناب جوش پر عنایت کی اور
انہیں پاکستان کے فوجی صدر نے "از راہِ نوازش"
اکیڈمی آف لیٹرز کے بانی رکن نامزد کر دیا۔ ممکن ہے
جنرل ضیا جناب جوش کی بے مثل علمی شخصیت کے
قائل ہوں اسی لئے انہوں نے بانی رکن کی حیثیت سے
ان کا انتخاب کیا لیکن جماعت مودودی کے نامزد
وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی صاحب کو ان کی بغیر
مرضی اور ایما کے جنرل ضیا کا انتخاب جوش پسند
نہیں آیا اور انہوں نے اپنے گرگوں سے کہا کہ "جوش
کا محاسبہ کرو" - اور جوش کا محاسبہ شروع ہو گیا،
گڑے مردے اکھڑنے جانے لگے۔ قطع نظر اس کے
بنیادی بات یہ ہے کہ کیا جماعتی نامزد وزیر کے آگے
جنرل ضیا بے بس ہیں، کیا جنرل ضیا سے زیادہ فاروقی
صاحب قابل آدمی ہیں، کیا جنرل ضیا کو کسی بھی ادارے
کے لئے کسی فرد کا انتخاب کرنے کا حق نہیں ہے؟
کیا جنرل ضیا کا یہ انتخاب کالعدم قرار دیا جاسکے گا؟
کیا اکیڈمی آف لیٹرز کے بانی رکن اب فاروقی صاحب
ہو جائیں گے۔ اور کیا جنرل ضیا جوش کو اپنے اختیارات
کا تختہ مشق بنائیں گے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ
کیا پاکستان پر جماعت اسلامی کی حکومت، کیا جنرل
ضیا جماعت کے آگے جواب دہ ہیں، وزیر اطلاعات
کی حیثیت صدر محترم کی حیثیت سے مقدم ہے۔ اور کیا
جنرل ضیا کے اختیارات کو فاروقی جیسے وزیر چیلنج کرنے
کے مجاز ہو گئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

محترم قارئین!

بہر حال بات دکن کے نواب کی عنایات سے
آگے نہیں بڑھی۔ جوش صاحب ہمارے خیال میں
صرف عنایات کے مارے ہوتے ہیں۔ ہر حکومت نے
ان پر عنایت کی تھی، پھر بھلا موجودہ حکومت کیوں
پیچھے رہنے لگی۔ اس نے بھی ان پر حسب مقدور
عنایت کر ہی دی۔

چھوٹا منہ بڑی بات

ابو ضیا اقبال

"جسارت" نے مطلع کیا ہے کہ جناب سردار عبدالقیوم نے چلّہ شروع کر دیا ہے۔ کسی سے گفتگو نہیں فرماتے ہیں اور ضرورت پڑے تو لکھ کر بات کرتے ہیں (جسارت ۷ جنوری) چلّہ کشی بہت سے موقعوں اور مقاصد کے لئے ہوتی ہے اور اس کی میعاد عموماً چالیس روز ہوتی ہے۔ اخبار نے موصوف کی چلّہ کشی کی میعاد بھی یہی بتائی ہے۔

چلّہ کشی ایک وہ بھی ہوتی ہے جو زچّہ عورتیں بچّے کی پیدائش کے بعد چالیس روز تک بستر پر گذارتی ہیں لیکن اس دوران وہ بات چیت بھی کرتی ہیں اور کھاتی پیتی بھی ہیں۔ البتہ آنجہانی گاندھی جی ایک خاص قسم کا برت رکھتے تھے۔ جس کے دوران وہ گفتگو نہیں فرماتے تھے اور عموماً سلیٹ پر سوال جواب کرتے تھے جیسا کہ اُس زمانے میں اسکول کے بچّے کیا کرتے تھے ہوتا یہ تھا کہ ملاقاتی اپنی بات سلیٹ پر لکھ دیتا جو مہاتما جی کا کوئی داس یا داسی ان تک پہنچاتی۔ وہ منہ بند کئے اس پر جواب لکھتے جو ملاقاتی کو پہنچایا جاتا۔ زیادہ پیغام رسانی کے یہ فرائض مرودولا سارا بائی انجام دیتی تھیں۔ اب جو سردار صاحب نے یہ کام شروع کر رکھا ہے تو کسی "نوزائیدہ" کی تلاش بھی ضروری ہے اور ان کے کسی داس یا داسی" پیغامبر" کی بھی۔ حرفِ مدّعا کیا ہوگا، یہ جاننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

گذشتہ دنوں کراچی میں سول ہسپتال کے آس پاس خون فروخت کرنے والوں نے ہڑتال کر دی تھی، ان کا کہنا یہ تھا کہ انہیں صرف ۵۰ روپے فی پنٹ خون دیتے جاتے ہیں جب کہ ڈاکٹر صاحبان خون کے ضرورت مند مریضوں سے ۱۵۰ روپے ایک پنٹ خون کے وصول کرتے ہیں۔ ان خون فروشوں کا مطالبہ تھا کہ انہیں فی پنٹ ۱۲۰ روپے دیتے جائیں (مشرق ۱۱ جنوری۔)

یہ خون فروش بڑی غلطی کرتے ہیں کہ اپنا خسارہ پورا کرنے کے لئے ہڑتالیں وغیرہ کر کے خواہ مخواہ قانون شکنی کرتے ہیں۔ کیونکہ ہڑتال خواہ وہ کسی ضمن میں اور کسی نوعیت کی ہو، قانون شکنی کے تحت آتی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ اپنا خون ہسپتال کی بجائے کہیں اور نکلوائیں۔ اس میں تھوڑا سا سرخ رنگ ملائیں (پانی نہ ملائیں کہ یہ کام صرف دودھ والوں کا ہے) اور اس خون کو ۵۰ روپے فی پنٹ ہی فروخت کریں۔ اس سے کوئی ٹنٹا فساد نہیں ہوگا۔ ان کا بھی مقصد پورا ہوگا اور ڈاکٹروں کا مقصد بھی حل ہو جائے گا۔ کیوں ڈاکٹروں کو بدنام کرتے اور ان کے پیٹ پر پاؤں مارتے ہیں؟ دوسرے کاروباری لوگ تو ایسا نہیں کرتے ہیں! اور لوگوں کو ملوّث کئے بغیر اپنا کام کر جاتے ہیں اور قانون کی زد میں بھی نہیں آتے۔ البتہ ایک مسئلہ ہے کہ کیا اسلام میں خون فروشی جائز ہے؟

جماعت اسلامی کراچی کے جنرل سکریٹری جناب نور محمد لاکھانی نے انتباہ کیا ہے کہ اسلام کے خلاف جوشش پسندی برداشت نہیں کی جائے گی (جسارت ۷ جنوری) ویسے تو موصوف کی مراد یہ ہے کہ اسلام کے خلاف جوشش ملیح آبادی کی حمایت برداشت نہیں کی جائے گی لیکن" جوشش پسندی" کی اصطلاح کے جملے میں استعمال سے بات کچھ مشکوک ہو جاتی ہے اور کم شعور رکھنے والے لوگ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام کے خلاف جوشش (و خروش) کو پسند کرنے والوں کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

بسا اوقات الفاظ کا ذومعنی استعمال تحفظ اور ضمانت کا بھی باعث بنتا ہے۔ خاص کر اسلام کے معاملے میں اور ذہین و دور اندیش لوگ جما جما کر الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ایک طرف تو علم دانی کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف "غیب دانی" کا

اسلام آباد کے دو حقیقی بھائی اقبال اور خوشحال اپنے اغوا کا ڈرامہ رچا کر بخیر و عافیت گھر پہنچے، ہوا یہ کہ گھر سے بھاگ گئے اور باپ کی توجہ مبذول کرانے کے لئے جعلی خط لکھا جس میں اپنی رہائی کے لئے تیس ہزار کی رقم رکھی۔ پھر جب اس شغل سے اکتا گئے تو گھر پہنچ گئے۔

غالباً ان لڑکوں نے اخبارات میں بعض ثقہ سیاستدانوں کے اغوا کی لرزہ خیز داستانیں پڑھ لی ہوں گی۔ مثال کے طور پر اپنے سابق مشرقی پاکستان اور حال بنگلہ دیش کے جناب خواجہ خیرالدین جن کے ڈرامائی اغوا نے ملک بھر کے اخبارات میں تہلکہ مچوا دیا تھا۔ خاص کر جاسوسی کہانی پڑھنے والوں نے ایک ایک لفظ بڑے غور سے پڑھا تھا لیکن عمران سیریز کے فریدی کی طرح یا کانن ڈائل کے شرلاک ہومز کی طرح مسلم لیگ کے جناب ہوتی نے اس ڈرامائی اغوا کو صرف ڈراما قرار دے ڈالا اور نفظ اغوا کو اس سے حذف کر ڈالا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام آباد کے دونوں بھائی واپس گھر پہنچ گئے۔

نئی دہلی کی اطلاع ہے کہ بھارت کی وزارت داخلہ کے اعلان کے مطابق لوگوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی طرف راغب کرنے کے لئے نقد معاوضہ دیا جائے گا۔

بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ معاوضہ تو کسی کام یا محنت کا دیا جاتا ہے جو کبھی کبھی پیشگی بھی دیا جاتا ہے لیکن ضمانت بہر حال کام یا محنت کرنے کی ہوتی ہے جو پہلے کی جائے یا بعد میں لیکن ہونی ضرور ہے۔ بھارت کی وزارت داخلہ نقد معاوضہ کس بات پر دے گی؟ اس ضمانت پر کہ کوئی فرد بچّہ پیدا نہیں کرے گا؟ ہو سکتا ہے نقد معاوضے کی ادائیگی کے بعد اس فرد کی نگرانی شروع کر دی جائے کہ وہ معاوضہ ہضم تو نہیں کر جاتا اور اس کے ہاں اولاد تولّد تو نہیں ہوتی ہے؟ اگر کوئی ایسا کرتا ہوا پایا گیا تو اس سے وہ معاوضہ واپس لے لیا جائے گا یا اس پر معاہدے کی خلاف ورزی پر مقدمہ چلایا جائے گا۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی فرد ایک خاص وقت تک بچہ پیدا نہ کرے اور نقد معاوضہ لے لے۔ اور جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے تو جھٹ سے بچہ پیدا کر ڈالے۔

یہ ساری باتیں بھارتی حکومت کو سامنے رکھنی چاہئیں اور کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیئے تاکہ نقد معاوضہ رائیگاں نہ جائے۔

منڈی بہاؤالدین

میاں محمد شریف زاہد

ملتان فائرنگ کے اصل مجرموں کو سزا دیجائے

حسین نقی اور مظہر علی خاں کیخلاف مقدمہ واپس لیا جائے

تحصیل پھالیہ میں مزدوروں کسانوں صحافیوں، طالب علموں وکلاء اور محنت کش حلقوں نے ۲ جنوری ۱۹۸۰ء کو کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں سرمایہ داروں کے پالتو غنڈوں اور ان کی محافظ پولیس کے ہاتھوں شہید ہونے والے مزدوروں کو خراجِ عقیدت شاندار الفاظ میں پیش کیا اس سلسلے میں مزدور اتحاد سب ڈویژن منڈی بہاؤالدین کا ایک خاص اجلاس اس کے چیئرمین چوہدری محمد اقبال جارڈا ایڈووکیٹ کی صدارت میں ہوا پیپلز لائرز ایسوسی ایشن کے جنرل سیکریٹری چوہدری محمد ظفر اللہ تارڑ ایڈووکیٹ نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شہدائے ملتان کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا اور ان کے قاتلوں کو پھانسی دینے کا مطالبہ کیا شوگر ملز ایمپلائز فیڈریشن پنجاب کے صدر شوکت حسین نیازی نے خطاب کرتے ہوئے اس امر پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا کہ ایک سال گزرنے کے باوجود مزدوروں کے قاتلوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی جس کے باعث مزدوروں میں گہری تشویش پائی جاتی ہے انہوں نے کہا کہ اسلامی روح کے مطابق مزدوروں کے قاتلوں کو سزا دی جائے پریس کلب منڈی بہاؤالدین کے سیکریٹری میاں محمد شریف زاہد نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محض دو پولیس اہلکاروں پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلانے سے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے سانحہ کی منصفانہ تحقیقات اسی وقت ہو سکتی ہے اگر مل کے مالک اور اس کے گماشتوں کو بھی جو فائرنگ کے محرک ہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے انہوں نے کہا کہ مل مالک اور اس کے حواریوں کو محاسبہ سے الگ رکھنے سے حق و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ مزدور رہنما محمد رمضان جانی نے مطالبہ کیا کہ کالونی ملز ملتان میں مزدوروں پر فائرنگ کرنے والے افراد کو سرعام پھانسی دی جائے متاثرہ خاندانوں کو مناسب معاوضہ ادا کیا جائے اور ملتان انتظامیہ نے اس سلسلے میں جو تحقیقات کی ہے اسے منظر عام پر لایا جائے راجہ محمد انور ایڈووکیٹ نے مطالبہ کیا کہ ملک میں فی الفور عام انتخابات کرائے جائیں جمہوری عمل جاری کیا جائے ملک میں مارشل لا ختم کر کے حکومت جلد از جلد عوامی منتخب نمائندوں کے حوالے کی جائے اور ملتان کے قتل کے خلاف مقدمہ کی سماعت خصوصی فوجی عدالت کی بجائے ہائیکورٹ کی فل بنچ سے کرائی جائے لیبر اینڈ اسٹاف یونین شاہ تاج شوگر ملز منڈی بہاؤالدین کے جنرل سیکریٹری چوہدری فتح محمد مہدی نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ تمام گرفتار شدہ طلبہ، مزدور، کسان، صحافی وکلاء اور محنت کش کارکنوں اور رہنماؤں کو فی الفور رہا کیا جائے اور ان کے خلاف درج جھوٹے مقدمات واپس لیے جائیں اقبال جارڈا ایڈووکیٹ نے اپنی صدارتی تقریر میں شاہ تاج شوگر ملز کے محنت کشوں کی اپنے مطالبات کی حمایت میں کامیاب جدوجہد کرنے پر شاندار الفاظ میں انہیں خراج تحسین پیش کیا انہوں نے کہا کہ ہمارا ملک اس وقت تک خودکفیل نہیں ہو سکتا جب تک ملک کا موجودہ ملکیتی نظام ختم نہیں کیا جاتا اور سارا قابل کاشت رقبہ گزارہ یونٹ کی بنیادوں پر کاشتکاروں میں مفت تقسیم کر کے ان کسانوں کو ان کی رضا و رغبت سے اجتماعی فارموں میں جمع کر کے مشینی کاشت شروع نہیں کی جاتی اور صنعتی بحران پر بھی اس وقت تک قابو نہیں پایا جا سکتا جب تک بڑے سرمائے کو قومی ملکیت میں لیکر بڑے صنعتی اداروں کو محنت کشوں کی منتخب کمیٹیوں کے تعاون سے چلانے کا بندوبست نہیں کیا جاتا انہوں نے کہا کہ طلباء، مزدور، کسان، وکلاء صحافی اور محنت کش اپنے انقلابی مشن کی تکمیل کی خاطر جدوجہد جاری رکھیں گے ان سے قبل لیبر اینڈ اسٹاف یونین شاہ تاج شوگر ملز کے سیکریٹری اطلاعات محمد شریف نے اپنی تقریر میں تمام محنت کش طبقوں پر زور دیا کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے موجودہ جاگیردارانہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف جدوجہد تیز تر کر کے لوٹ کھسوٹ سے پاک معاشرے کا قیام عمل میں لائیں۔

اجلاس میں قرار دادوں کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کے مزدوروں پر آج سے سال بھر قبل جو پولیس فائرنگ کی گئی تھی اس کی ہائیکورٹ کے کم از کم تین ججوں پر مشتمل ایک بنچ کے ذریعہ اعلیٰ عدالتی تحقیقات کرائی جائے اور فائرنگ کے ذمہ دار افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے شہداء کے ورثاء کو معقول معاوضہ دیا جائے اور اس ضمن میں ملز کے مزدوروں پر قائم کردہ تمام مقدمات واپس لیے جائیں ایک اور قرارداد کے ذریعے ہفت روزہ ویو پوائنٹ لاہور کے کالم نگار جناب حسین نقی کو فی الفور رہا کر کے ان کے خلاف اور ویو پوائنٹ کے ایڈیٹر جناب مظہر علی خان کے خلاف آفیشل سیکرٹس ایکٹ کے تحت قائم کردہ مقدمہ کو واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ خالد چوہدری اور عباس اطہر سمیت تمام گرفتار شدہ تمام صحافیوں کو فی الفور رہا کر کے ان کے خلاف مقدمات واپس لیے جائیں ہفت روزہ ویو پوائنٹ، مساوات سمیت جن اخبارات و رسائل پر سنسر کی پابندی لگائی گئی ہے اسے ختم کیا جائے ایک اور قرارداد کے ذریعے نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات کے برطرف شدہ تمام ملازمین کو ان کی ملازمتوں پر بحال کرنے کا مطالبہ کیا گیا اور متعدد کارکنوں کی بحالی میں تاخیر پر شدید تشویش کا اظہار کیا گیا۔

مجلسِ فکر جدید تحصیل پھالیہ کا ایک خاص اجلاس الجزائر کے مرحوم صدر ہواری بومدین کی یاد میں جس کی صدارت اس کے صدر میاں محمد شریف زاہد نے کی اور مہمان خصوصی ممتاز انقلابی شاعر و ادیب اور سیالکوٹ شہر کے ممتاز قانون دان جناب سید مقبول حسین رضوی ایڈووکیٹ تھے اجلاس سے مجلس فکر جدید کے جنرل سیکریٹری عمران صابر، انجمن صحافیان پھالیہ کے جوائنٹ سیکریٹری چوہدری محمد مہدی نے خطاب کیا جناب سید مقبول حسین رضوی نے اپنی تقریر میں آزاد الجزائر کے ہیرو تیسری دنیا کے مظلوم و محکوم عوام کے عظیم لیڈر ہواری بومدین کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج دنیا بھر کے غریب عوام اپنے ایک عظیم قائد سے محروم ہو گئے ہیں انہوں نے کہا کہ ان کی روح کو تسکین پہنچانے کا واحد یہی ذریعہ ہے کہ ان کے انقلابی مشن کی تکمیل کے لئے جدوجہد جاری رکھیں ایک قرارداد کے ذریعے مرحوم ہواری بومدین کی تیسری دنیا کے عوام کے حقوق و مفادات اور آزادی کی خاطر پرعزم جدوجہد کو سراہتے ہوئے انہیں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا●

سندھ کا سیاسی جائزہ

ضلع سکھر

منگی، منور سیاست، بلوچ اور مہر وراثت

فلک شیر احمد

سکھر ضلع کو سندھ کی سیاست میں اہم مقام حاصل ہے کیونکہ یہ دو صوبائی وزرائے اعلیٰ اور تین مرکزی وزرائے قانون کا آبائی ضلع ہے۔ اس کے علاوہ ترقی پسند سیاست کے نقطۂ نظر سے بھی یہ ضلع اہم حیثیت رکھتا ہے۔ آزادی سے قبل یہ ضلع پورے ہندوستان میں ویرومل بگراج کی انگریز دشمن تحریروں اور اس کی صعوبتوں کی وجہ سے متعارف تھا اس کے علاوہ سندھ کی سب سے اہم قومی وجود کی جنگوں کا میدان بھی یہ ضلع رہا ہے۔ اروڑ راجہ داہر کا اہم قلعہ تھا اور کھرڑی کا میدان شاہ شجاع اور سندھی سورماؤں کے مابین لڑائی سے متعلق پہلے سر کیٹلارڈ کا محل وقوع ہے۔ انگریزوں کے دور میں یہ ضلع بہت عرصے تک کھوسا قبائل کی چھاپہ مار لڑائیوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ آزادی اور حریت کی روایات کے علمبردار ہیموں کالانی کا آبائی وطن اور اس کی سرگرمیوں کا مرکز بھی یہی ضلع رہا ہے۔ حریت اور آزادی کی روایات کے ساتھ ساتھ یہ ضلع کاسہ لیسوں اور خوشامد پسند امراء کا بھی سب سے بڑا گڑھ رہا ہے۔ اس ضلع میں جتوئیوں اور مہروں کی خانگڑھیں ہیں۔ جتوئی سردار تو اتنا انگریز پرست تھا کہ اس کے خانگڑھ کا نام اب بھی نیپئر آباد ہے۔ مہر سردار پر پاگارو کی حریت پسندانہ تحریک کی مخبری کی وجہ سے سندھ کے لوک ادب میں مذمت اور نفرت کے کردار بن چکے ہیں۔ شاہ خیرالدین کی درگاہ کے مجاور جو میاں سے بڑھ کر پیرزادہ ہو چکے ہیں۔ وہ بھی انگریز کی حمایت اور کچے کی زمینوں کی حرص کی وجہ سے پورے صوبے میں مشہور ہیں۔

اس ضلع میں جدید سیاست کی ابتداء کچھی میمنوں کے ایک فرد ڈپٹی پیر بخش نے کی۔ وہ سندھ سے امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے سب سے پہلے ممبر تھے۔ کچھ عرصہ انہوں نے امن سبھا میں سرگرم حصہ لیا لیکن بعد ازاں سیاست سے بالکل ہی بے تعلق ہو گئے اس لئے یہ خاندان اب سکھر میں قطعی غیر معروف ہو چکا ہے۔ سندھ کو صوبائی حیثیت ملنے کے بعد یہ ضلع مسلمانوں میں پیرزادہ عبدالستار اور ہندوؤں میں پروفیسر گھنشیام کی سیاست کے تابع رہی ہے۔ پیرزادہ عبدالستار پاکستان کی سیاست میں سب سے زیادہ عرصہ برسر اقتدار رہے ہیں لیکن جاہ پرستی اور مقامی مسائل سے بے توجہی کی وجہ سے اس خاندان کو سکھر کی سیاست میں اب کوئی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ۱۹۶۲ء سے اب تک سکھر میں پیرزادہ خاندان بشمول پیرزادہ حفیظ ضمانت ضبط خاندان کے نام سے معروف ہے یوں لگتا ہے کہ حفیظ پیرزادہ وقت کے موڈ کو پہچان چکے ہیں اس لئے ہی انہوں نے اپنی سیاست کے لئے ملیر کا انتخاب کیا ہے۔

سکھر میں پیرزادہ خاندان کا اثر و رسوخ ختم کرنے کا سب سے بڑا سبب علی حسن منگی کی سیاست ہے۔ یہ ضلع نہ تو منگی کا آبائی ضلع ہے اور نہ ہی منگی یہاں کا مجاور یا وڈیرہ ہے لیکن پھر بھی منگی خاندان کے الیکشنوں میں پیسے کے بے دریغ استعمال اور عام آدمی سے ان کے ہمدردانہ رویہ کی وجہ سے، یوں لگتا ہے کہ اچھے خاصے عرصے تک منگی خاندان کی سیاست ہی سکھر ضلع پہ حاوی رہے گی۔

سکھر اور روہڑی شہر میں بالترتیب آغا بدرالدین اور شفقت حسین موسوی اپنی انسان دوستی اور نیک رویے کی وجہ سے لوگوں میں اچھے خاصے مقبول تھے لیکن انکی وفات کے بعد ان کے جانشینوں میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ان کی سیاسی روایات کے تسلسل کا باعث بنے۔ موسوی خاندان کا المیہ تو یہ ہے یہ خاندان ماضی میں تعلیم کے فروغ اور قلندرانہ صفات کی وجہ سے جانا جاتا تھا جبکہ اب یہ خاندان پلاٹوں اور پرمٹوں کے متمنی خاندان کے نام سے جانا جاتا ہے۔

مفتی محمد حسین نہ صرف یہ کہ فرقہ وارانہ سیاست بلکہ تعویذ گنڈوں کی وجہ سے اچھے خاصے حلقے میں اثر رکھتے ہیں لیکن منور خان کی منگی ٹائپ سیاست اور جماعت اسلامی کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی سیاست نے ان کی سیاست کو اچھا خاصا متاثر کیا ہے پھر بھی سکھر شہر کا انتخابی حلقہ ان کا محفوظ حلقہ ہے۔ حلیم پیرزادہ نے پیپلز پارٹی کی سیاست کے ذریعے مہاجروں میں اچھا اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا لیکن رؤف جوہر پر حد سے زیادہ تکیہ ان کو بھی لے ڈوبا۔ پیرزادہ صاحب نے فتح اللہ عثمانی کے ذریعہ اس خلاء کو پُر کرنے کی کوشش کی ہے لیکن فتح اللہ عثمانی صاحب تو سندھی کہاوت کے مطابق نہ تو دوستوں کے لئے سہارا ہیں اور نہ ہی دشمنوں کے لئے خطرہ۔ اس لئے سکھر کی سیاست میں تو مفتی محمد حسین ہی حاوی نظر آتے ہیں۔

وڈیرہ سیاست کو چھوڑ کر سیاسی جماعتوں کے نقطہ نظر سے سکھر شہر نیپ کا شہر کہلاتا تھا اور ایوب کے آخری ایام میں تو یہاں ہر دوسرے تیسرے دن مزدور سرخ جھنڈے لئے۔ بڑے بڑے جلوسوں کی صورت میں شہر کا گشت کرتے رہتے۔ نیپ کو سب سے پہلے شیخ ایاز اور ان کے ادیب دوستوں نے داغِ مفارقت دے کر کمزور کیا۔ اس کے بعد شمس الدین شاہ اور فتح اللہ عثمانی کی "موقع

سندھ ہاری کمیٹی کا اظہار تشویش

ماندھل شر نائب صدر رابطہ کمیٹی مزدور، کسان، شاگرد اتحاد ڈویژن سکھر اور کسان رہنما شاہ محمد درانی نے روہڑی سیمنٹ فیکٹری میں عورتوں، بچوں اور مزدوروں پر ہونیوالے لاٹھی چارج کو افسوسناک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ فیکٹری کی انتظامیہ کا رویہ بہت افسوسناک ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ سکھر ڈویژن میں بڑے زمیندار کسانوں کو بیج نہیں دیتے۔ اس سال فصل کو ۸۰ فی صد نقصان ہوا اس کے باوجود کسانوں سے زمینوں کی بقایاجات وصول کی گئیں چھوٹے کھاتیداروں کو ٹریکٹروں کے لئے قرض بند ہے ان سب باتوں کی وجہ سے سندھ کے اندر صنعتی اور زراعتی پیداوار سخت متاثر ہو رہی ہے۔ ان سب عقوبتوں کے علاوہ کسانوں اور مظلوم طبقے کے محبوب رہنما جام ساقی کو گرفتار کر کے تشدد کیا جا رہا ہے۔

انہوں نے مطالبہ کیا کہ جام ساقی کو آزاد کیا جائے۔ روہڑی سیمنٹ فیکٹری کی انتظامیہ کو معطل کیا جائے۔ اور لاٹھی چارج کرانے والے افسران کو سخت سزا دی جائے اور گرفتار مزدوروں کو آزاد کیا جائے۔ سندھ ہاری کمیٹی کی طرف سے حیدرآباد میں منظور کی گئی قراردادوں پر عمل کیا جائے۔

جماعت اسلامی
سیاسی یتیم اور
مفتی محمد حسین
سیاسی چیمپئن

شناسی" نے انہیں مزید کمزور کیا۔

سکھر شہر میں جماعت اسلامی کا وجود جمعیت پنجابی سوداگران دہلی اور کھالوں کے کاروبار کے طفیل ہے لیکن ان کی سیاسی حیثیت برائے نام ہے۔ کبھی آغا بدرالدین اور کبھی مفتی محمد حسین کے جلسوں میں تقاریر کے ذریعے اپنے وجود کو ثابت کرتے رہتے ہیں۔

سکھر تحصیل میں ابھی تک غوث بخش مہر عرف منڈھر و خان ہی اپنا سیاسی وجود ثابت کر سکے ہیں۔ وہ بھی پیپلز پارٹی کے طفیل لیکن ان کو سب سے زیادہ خطرہ بلوچ قبائل سے ہے اگر وہ متحد ہو گئے اور سومرہ، بھیا، اور میمن برادری کے لوگوں کو مہر دشمنی میں اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر وہ غوث بخش مہر کو شکست دے سکتے ہیں۔

روہڑی تحصیل میں مہروں، حروں، لکھار کے سیدوں اور اکبر گبھی کا اثر ہے لیکن مہروں اور لکھار کے سیدوں کا اتحاد دوسرے تمام گروپوں کو شکست دے سکتا ہے۔ اس حلقے میں روہڑی سیمنٹ ورکس اور ریلوے کے مزدوروں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ ان کے ووٹ بھی فیصلہ کن ہو سکتے ہیں۔

پنوعاقل تحصیل سے گزشتہ انتخابات میں لاٹری تو مجیب پیرزادہ کے نام نکلی تھی لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس حلقے میں پیرزادہ خاندان کا وجود ہی نہیں۔ اس تحصیل میں سنگورہ کے سیدوں، مہروں بلوچوں اور کلہوڑہ وڈیروں کا اثر ہے اگر سید شمس الدین شاہ گروپ نے اپنے آپ کو منظم کر لیا تو وہ اس حلقے سے جیت سکتے ہیں۔

گھوٹکی، میرپور ماتھیلو اور اباوڑو میں مہروں اور بلوچوں کی روایتی رقابت کے مابین آبادکاروں کا بھی ایک موثر گروپ ہے اس کے علاوہ اباوڑو کے حام، بھرچونڈی کے پیر اور گھوٹکی کے سید بھی کافی اثر و رسوخ رکھتے ہیں لیکن وہ بھی کسی کی طاقت میں اضافہ کر سکتے ہیں بذاتِ خود طاقت نہیں ہیں۔

سکھر ضلع میں خاندانی، وڈیرانہ اثر رسوخ کے علاوہ پیپلز پارٹی بحیثیت جماعت بھی بہت طاقتور سیاسی عنصر ہے۔ یہی سبب ہے کہ روہڑی کا علاقہ پیر پاگارو کا روایتی مریدوں کا حلقہ نہیں رہا ہے۔ یہاں البتہ اگر پیپلز پارٹی نہیں رہتی تو پھر بلوچوں، مہروں اور حروں میں ہی مقابلہ ہوگا۔ ■

عوام کو بھٹو کا شدت سے انتظار ہے

کوئی لالچ بھٹو اور عوام کے مابین حائل نہیں ہو سکتا!

شہداد پور — نثار بالادی

لطف علی وگن سے انٹرویو

سوال:۔ سانگھڑ میں پیپلز پارٹی کی پوزیشن کیا ہے؟

جواب:۔ وادیٔ مہران کے کئی بڑے شہروں کی طرح سانگھڑ ضلع بھی اپنی تاریخی، سیاسی اور سماجی حیثیت کے باعث وہ مقام رکھتا ہے جس کے بارے میں قائد عوام نے ایک تاریخی تقریر میں کہا تھا: "سانگھڑ میرا پاکستان ہے پاکستان میرا سانگھڑ ہے"۔ ۱۹۷۷ء کے الیکشن نے یہ ثابت کر دیا کہ جہاں صدیوں سے پیروں اور وڈیروں کا تسلط تھا اس جگہ پیپلز پارٹی نے عوام کی بھرپور حمایت سے بھاری اکثریت کے ساتھ کامیابی حاصل کر لی۔

جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کے نظام کے پجاریوں کو شکستِ فاش ہوئی جس کے نتیجے میں پیروں، جاگیرداروں اور وڈیروں نے اپنے گرتے ہوئے بتوں کو سہارا دینے کے لیے، انقلابی پارٹی کے رہنما اور قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو پر ناکام قاتلانہ حملہ کرایا۔ پھر وہ وقت آیا کہ لاکھ بندشوں کے باوجود قائد عوام مارشل لا حکومت کی قید سے رہا ہو کر پنجاب سے بذریعہ ٹرین شہداد پور پہنچے اور جگہ جگہ عوام نے ان کا والہانہ استقبال کیا

س:۔ سندھ کے بیشتر اضلاع میں ہاریوں کی جس طرح بے دخلیاں کی جا رہی ہیں کیا اسی قسم کی کارروائیاں ضلع سانگھڑ میں بھی کی جا رہی ہیں؟

جواب:۔ سانگھڑ ضلع سندھ کے دوسرے اضلاع سے مختلف نہیں ہے کیونکہ یہاں بھی قائد عوام کے نام لیوا اور پرستار موجود ہیں یہاں بھی شکست خوردہ اور زخم چاٹتے ہوئے وڈیرے اور پیر پھر سے طاقت پکڑ رہے ہیں یہاں بھی ہاریوں کو بڑی تعداد میں بے دخل کیا جا رہا ہے اور ان پر جھوٹے مقدمات کیئے جا رہے ہیں اور جبر و تشدد سے انہیں مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ پیپلز پارٹی سے اپنا رشتہ توڑ دیں لیکن

عقل کے اندھوں کو یہ علم نہیں ہے کہ وقت کے پہیوں کو پیچھے نہیں چلایا جا سکتا۔ عوام کے ذہن اور سوچ کو طاقت کے ذریعے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

سوال:۔ کیا اب بھی سانگھڑ میں لوگ جناب بھٹو کے حامی ہیں۔

جواب:۔ ضلع کے سارے بڑے شہروں قصبوں اور دیہاتوں میں ہر آدمی یہ کہتا نظر آتا ہے کہ کب آئے گا ہمارا قائد؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہاں عبدالسلام تھیم، مجاہد ابراہیم عبدالواحد بروہی، قابل مہرانی، ڈاکٹر بیر بیگ، تاج حیدری، غلام رسول اسرار اور کئی دوسرے کارکن ہیں جنہوں نے جیل کی چار دیواری میں اور لاٹھیوں کے درمیان بھی "جیوے میرا قائد" کہنا نہیں چھوڑا یہ نوجوان کارکن آج بھی پہلے کی طرح اپنے قائد پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار ہیں یہ اور بات ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں ان مخلص کارکنوں کو نظر انداز کر دیا گیا تھا لیکن جب بھی قربانی دینے کا وقت آئے گا تو یہی جیالے کارکن پیش پیش ہوں گے۔

سوال:۔ کیا موجودہ حالات میں یہاں کے لوگوں پر دوسری سیاسی پارٹیوں کا دباؤ نہیں پڑ رہا ہے؟

جواب:۔ پڑ رہا ہے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی ایجنٹ جماعتوں کے لوگ جیپوں میں گاؤں گاؤں پھرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی پارٹی میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں لیکن دیہاتوں میں جہاں بھی یہ لوگ جاتے ہیں وہاں لوگ یہی جواب دیتے ہیں کہ "دال روٹی کھائیں گے بھٹو کو لائیں گے"۔ ان کا یہ جواب سنکر دوسری پارٹیوں والے اپنا سا منہ لے کر لوٹ جاتے ہیں ان باتوں کی وجہ سے انہیں انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے ان کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کر لیا جاتا ہے بہت سے ہندوؤں سے قرضوں کے نام پر لاکھوں روپے ہضم کر لیے گئے اور جب یہ لوگ کراچی میں ان کے پیر کے پاس فریاد کرنے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے میں کیا کروں۔

سوال:۔ جناب معراج محمد خان کے پیپلز پارٹی سے اتحاد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:۔ یہ عوام کی خواہش ہے کہ معراج محمد خان جیسے بے باک اور بے لوث لیڈر پیپلز پارٹی کے پروگرام کو لے کر آگے بڑھیں تاکہ ملک میں جمہوری راہ ہموار ہو سکے۔ یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ پارٹی نے ماضی میں معراج محمد خان جیسے لیڈر کھو دیئے یہ عوام دشمن طاقتوں کی سازش تھی کہ پیپلز پارٹی سے پرخلوص لوگوں کو الگ کر دیا جائے آج معراج محمد خان پارٹی میں واپس آجائیں تو بہت سے منافق بھاگ جائیں گے۔

سوال:۔ توقع ہے کہ جناب بھٹو دوبارہ عوام سے آملیں گے آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں

جواب:۔ یہ توقع بے وجہ نہیں ہے آج نہ صرف اس ملک کو بلکہ ساری تیسری دنیا کو بھٹو کی ضرورت ہے اور اسی لیئے نہ صرف سانگھڑ بلکہ سارے ملک میں پھیلے ہوئے عوام پوچھ رہے ہیں کہ ہمارا قائد ہم سے کب ملے گا اسی باعث بیشتر لوگ توقع کرتے ہیں کہ جناب بھٹو دوبارہ عوام میں آملیں گے۔

دیکھئے اب کون کون کافر قرار دیئے جائیں گے

ہمیں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے

خومند هیری

ہماری تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جب آمر کو بھی اپنے اقتدار کی گرفت مضبوط کرنا ہوتا وہ علماء کے اجتہادات کے سہارے ہی اپنی فرعونی اور ہامانی، ظلم و بربریت کا مظاہرہ کرتا رہا۔ اور دکان عیش و نشاط میں شہوت و ہوس کی رنگ آمیزی کرتا رہا۔ اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور پتا نہیں کب تک جاری رہے اس روشنی میں اگر ہماری مملکت کی طرف نظر کریں تو ہمیں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ اور آج کوئی نہیں جانتا کہ اس مملکت جمہوریہ اسلامیہ میں ابھی کون کونسے فرقے اقلیت اور کافر قرار دیئے جائیں گے کیونکہ دارالعلوم حقانیہ واقع اکوڑہ خٹک ضلع پشاور جیسے نام نہاد اسلامی دارالعلوموں اور کچھ دشمنان عقل و خرد اخبار و رسائل کے ذریعہ ذکریوں مہدیوں کو کافر اور اقلیت قرار دلوانے کی زبردست سعی کی جا رہی ہے شیعوں کے خلاف بھی مضمون نگاری کا سلسلہ جاری ہے اب رہ گئے اسماعیلی سو ان کا بھی کبھی نہ کبھی نمبر آنا ہی ہے ویسے بھی امام مہدی علیہ السلام کے ماننے والے اور ولایت، امامت اور معصومیت کے عقائد والے عشر اور زکواۃ کے معاملے میں اپنے اپنے اماموں اور مجتہدین کے احکاموں کی پیروی کو داخل ایمانیات سمجھتے ہیں ساتھ ساتھ اپنے عقیدے کے مخالف اشخاص کی نماز میں اقتدار کو بھی جائز نہیں سمجھتے اسی لیے حضرت امام حسین ع کی شہادت کے بعد حضرت امام زین العابدین رض اور حضرت امام جعفر صادق نے عزلت اور گوشہ نشینی کو پسند کیا اور تبلیغ دین اسلام کی خاطر اپنی دینی درسگاہوں میں ایسے شاگردوں کو تیار کیا جنہوں نے تلوار کی بجائے موعظت و حکمت اور محبت کے ذریعے احیاء شریعت تزکیۂ و تطہیر نفس کی تعلیمات کا سلسلہ شروع کیا جس کا اصل سرچشمہ محبت اور تقویٰ تھا ان تعلیمات سے بہرہ ور بزرگوں میں قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے اولیاء ہیں۔

دراصل عرب اور عجم میں تبلیغ اسلام کا جو حقیقی فریضہ صوفیائے کرام نے انجام دیا وہ کسی صاحب سطوت و سلطنت بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا۔ اب آپ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کریں تو یہ امر آپ پر اظہر من الشمس ہو جائیگا کہ جو سلاطین اور زعماء بزور شمشیر قیام شریعت اور عقائد کی درستگی کا مدعا لیکر اٹھے اور حصول اقتدار اور قیام ریاست کے علاوہ سوائے اپنی تلواروں کو مسلمانوں کے خون سے رنگین کرنے اور فروعی مسائل کو بہانہ بنا کر مخالفین کو طوق و زنجیر میں جکڑنے کے کچھ نہ کیا۔ اس کے بعد جو عداوتوں اور نفرتوں کا سیلاب امنڈا تو مسلمانوں میں نسل در نسل اپنی نحوست کے جراثیم پھیلاتا رہا۔ دور حاضر میں جب کہ دنیا تمام مسائل میں جو سیاسی ہوں یا معاشی، سائنس کی حیران کن ایجادات کی بدولت اور مواصلات کی معجزانہ تیز تر سروسوں کے باعث ایک نکتہ بن چکی ہے بعید سے بعید تر فاصلوں پر واقع ممالک ایک دوسرے کے داخلی اور خارجی انتشار اور اصلاحات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ منٹوں اور گھنٹوں میں دنیا کے ایک گوشے میں ہونے والے معمول حادثے اور سیاسی خلفشار کی خبر سے چند لمحوں میں دنیا کے لوگ آگاہ ہو جاتے ہیں ایسے دور میں تبلیغ دین و اشاعت مذہب کا واحد طریقہ صوفیائے کرام کی طرح پیار و آشتی، عجز و انکساری تقویٰ اور کردار ہی ہے نہ کہ وہ طریقے جو تاتاریوں کی بربریت اور نازیوں کی بے رحمی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ٹھیکیداروں کے مکر و فریب کی یاد تازہ کریں۔

اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو پاکستان، ہندوستان میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کی جدوجہد اور تعاون کا ثمرہ ہے نہ کہ کسی ایک گروہ یا جماعت کا مفتوحہ، جسے بلا لحاظ و

عقیدہ تمام مسلمانوں نے آگ اور خون کے سمندر سے گزر کر حاصل کیا ہے اس لئے ہر شخص اور فرقہ اپنے معاشی و مذہبی حقوق اور عزت نفس کے معاملے میں برابر کا حقدار ہے

تاریخ عالم میں عظیم تبادلہ آبادی ہو رہا تھا صرف چند ہفتوں کے اندر ایک کروڑ ۲۰ لاکھ سے زائد افراد نے اپنے گھروں کو خیر باد کہہ دیا۔ اور دوسری ڈومینین میں پناہ اور حفاظت کی تلاش میں پیدل، بیل گاڑی پر، ریلوے، کار اور ہوائی جہاز سے روانہ ہو گئے ۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کے شمارے میں لندن ٹائمز نے مسلمانوں کے ایک بیس میل لمبے قافلے کے بارے میں اطلاع شائع کی اس قافلے میں بیس ہزار سے زائد افراد تھے اور ان میں اکثر پیدل ہی پاکستان کی جانب بڑھ رہے تھے آبلہ پا تکان سے چور بھوک کے مارے سفر کی صعوبتوں سے نڈھال ستر لاکھ مہاجرین گرتے پڑتے پاکستان پہنچے وہ بالکل بے سر و سامان تھے ان کے پاس تن کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا ان کے کپڑوں کی بھی اکثر دھجیاں اڑی ہوئی تھیں۔ یہ وہ دکھتان بلا تھے جنہوں نے معصوم بچوں کا قتل لاشوں کی قطع برید اور عورتوں کی بے حرمتی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی کیا یہی انصاف ہے کہ آج کچھ لوگ ان عظیم قربانیاں دینے والوں میں سے کسی کو مسلمان اور کسی کو کافر قرار دیکر مسلم اتحاد کا شیرازہ بکھیر رہے ہیں اور لفظ اسلامی جمہوریت اور "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کا مذاق اڑا رہے ہیں

عصر حاضر بڑی طاقتوں کی سیاسی معاشی اور سائنسی برتری کے سبب چودہ سو سال پرانے اسلامی عہد سے مختلف ہے اس لیے آج جب تک کوئی ملک ان امور میں خود مکتفی نہیں ہو جاتا داخلی طور پر عقائدی اور فرقہ واری نوعیت کے حساس مسائل کو چھیڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر ایسے ملک میں جہاں قومی اور صوبہ داری عصبیتیں پہلے ہی ایک اہم کردار ادا کر رہی ہوں

کیا آج کوئی حاکم وقت مذکورہ کردار کا حامل ہو سکتا ہے اگر نہیں ہو سکتا تو پھر وہ کس اسلام کی بات کرتا ہے اس حاکم کے ہاتھوں نظام مصطفےٰ اسلامی نظام اور نظام شریعت برپا کرنے کی بات کرنے والے کونسا اسلام برپا کرنا چاہتے ہیں اللہ انہیں اپنے عذاب سے نجات دلائے۔

بقیہ :- جوہر میر

میں نے کہا کہ بزم ناز غیر سے چاہیئے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا، کہ یوں

جناب بزنجو کے جواب کا پانچواں اشارہ چوتھے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ تاہم پاکستان کے موجودہ سیاسی نظام کے بارے میں انہوں نے نوآبادیاتی نظام کی اصطلاح استعمال کر کے جس انداز سے چونکانے کی کوشش کی ہے وہ محل نظر ہے اگر ان کی یہ اصطلاح قومی جمہوریت کی اصطلاح کی طرح چمکتے لفظوں کی کاریگری نہیں تو ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ جناب ۱۹۷۳ء کی آئین کی تیاری میں تو آپ خود بھی ملوث تھے آپ نے تو دستخط بھی کئے تھے اور آپ کے رہنما عبدالولی خان نے لندن میں اس آئین کی تیاری پر انتہائی اظہار مسرت بھی کیا تھا مگر یہ نوآبادیاتی نظام کی پخ کہاں سے لگ گئی؟۔ اگر اس اصطلاح سے ان کی مراد پاکستان کا ۱۹۷۳ء کے آئین کے تحت وفاقی پارلیمانی نظام ہے تو کون کہتا ہے کہ نیپ یا این ڈی پی کبھی اس کے مخالف رہے ہیں۔ اگر اس اصطلاح کا مدعا وفاق کی ایک بڑی قومیت کو سامراج قرار دینا ہے تو ہمیں اس میں بھی شبہ ہے کہ کیونکہ شیرباز مزاری کا دعویٰ تو یہ ہے کہ این ڈی پی پنجاب اور سندھ میں بھی سب سے بڑی جماعت ہے اگر اب نہ بھی ہو تب بھی ایک قومی سیاسی جماعت کی حیثیت سے این ڈی پی پنجاب کے وجود کو قابل مذمت کیونکر قرار دے سکتی ہے جو پی این اے کی مہم کا سب سے اہم مرکز تھا اور اس طاقت کا سرچشمہ تھا جس نے سابق حکومت کا تختہ الٹا اور حیدرآباد ٹریبونل کو توڑ کر قومی جمہوریت کے مجاہدین کو رہائی دلائی۔

بزنجو صاحب کا کمال یہ ہے کہ وہ ہمیشہ گول مول باتیں کرتے ہیں وہ یہ تاثر دیتے ہیں جیسے وہ کوزے میں سمندر بند کر رہے ہوں۔ جب کہ حقیقت میں وہ کوزے سمندر میں بند کرتے نظر آتے ہیں۔ سنہ ۱۹۷۳ء کا آئین اس ملک کے سیاسی نظام کا تعین کرتا ہے اور یہ وہ فیصلہ ہے جس میں تمام سیاسی جماعتوں نے اتفاق کیا تھا اب اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ نظام نوآبادیاتی نظام کا ورثہ ہے تو یہ سوال بے جا تو نہ ہو گا کہ ہم ان سے متبادل قومی نظام کا حدود اربعہ پوچھیں۔ وہ اپنے لفظوں سے اس نظام کی جو نشاندہی کرتے ہیں وہ یوں ہے "موجودہ صورتحال میں چند جماعتیں اکٹھی ہو سکتی ہیں جو اس ملک میں جمہوریت کے نفاذ، موجودہ نوآبادیاتی نظام حکومت کے ختم کرنے اور ملک میں قومی جمہوریت کے قیام اور وفاق پاکستان میں آباد مختلف قومیتوں کے اتحاد سے ایک واحد پاکستانی قوم کی تشکیل اور ملک کی نوے فیصد انسانی آبادی کو سیاسی اور اقتصادی ذرائع پر قابض کرانے کی سعی اور سوچ رکھتی ہوں" اس طویل اقتباس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ ایسی سیاسی جماعتوں کے اتحاد کو (جن کی نشاندہی وہ نہیں کر سکتے) ایک ایسے نظام کی تشکیل سمجھتے ہیں جن میں ملک کے تمام وسائل پر ملک کی نوے فیصد آبادی کا تصرف قائم کیا جا سکتا ہے اور وہ یوں کہ وفاق کی چاروں قومیتوں کا اتحاد از بس ضروری ہے اس کے بغیر نہ سیاسی اتحاد ممکن ہے نہ نظام میں تبدیلی۔

پاکستان کے کسی بھی سچے دوست کو اس اشارے کے کسی ایک لفظ سے بھی اختلاف نہیں ہو سکتا مگر جب یہ بات جناب بزنجو کے لب مبارک سے سنی جاتی ہے تو شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں الفاظ بھی بے ضمیر نہ ہو گئے ہوں۔ وجہ ظاہر ہے کہ لفظوں کا تعلق انسان کے عمل سے ہوتا ہے اگر الفاظ اعمال کے خلاف ہوں یا اعمال الفاظ کے برعکس ہوں تو دو میں سے ایک کی بے ضمیری کا گمان پیدا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ نیپ کے گزشتہ کردار اور این ڈی پی کے حالیہ کردار (پی این اے میں شمولیت سے علیحدگی تک) سے ایسی کسی بات کا پتہ نہیں چلتا جو جناب بزنجو کے خیالات سے لگا کھاتی ہو۔ جب کبھی جناب بزنجو کی کسی بات کو چیلنج کیا جاتا ہے بیگم نسیم ولی خان یا شیرباز مزاری صفائی پیش کرنے دوڑے چلے آتے ہیں "حضور وہ جناب بزنجو کے ذاتی خیالات تھے" ہمیں نہیں معلوم جس جماعت کے اجتماعی خیالات جناب بزنجو کے ذاتی خیالات سے ہمیشہ متصادم رہتے ہوں وہ جماعت نوآبادیاتی نظام کے خاتمے اور ملک کی قومیتوں کے اتحاد کے ذریعے ۹۰ فیصد عوام کی بالادستی کس طرح قائم کر سکے گی۔

جاری ہے

بقیہ :- اسلام آباد

اور ان کے ملازمین کو تو شاید زرخرید ہی سمجھا جانے لگا ہے۔ عام طریقہ تو یہ ہے کہ اگر کسی اخبار میں کوئی غلط خبر چھپ جائے تو اس کی تردید اسی اخبار کے ذریعے کرائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایڈیٹر سے رجوع کیا جاتا ہے اگر اس میں کوئی قباحت ہو تو عام قوانین کے تحت عدالتوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے مگر آج کل سرکاری افسروں نے یہ روش اختیار کر رکھی ہے کہ اخبار نویس کو پکڑ کر اسے ڈرائیں دھمکائیں اور خود اس کی اپنی خبر کی تردید پر مجبور کریں۔ اس میدان میں پاکستان ٹیلیویژن کارپوریشن کے کرتا دھرتا ضیاء جالندھری بڑے کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ ضیاء جالندھری شاید جالندھری ہونے کے ناطے خود کو کوئی اور مخلوق تصور کرنے لگے ہیں وہ صحافیوں کو ڈانٹنا بھی اسی طرح اپنا حق سمجھتے ہیں جس طرح بلا ضرورت سرکاری خرچ پر بیرون ملک کے دورے کرنا۔ وہ اب اتنی اونچی ہواؤں میں اڑتے ہیں کہ برسر عام صحافیوں کو لتاڑیں اور ایسے گرجیں برسیں کہ پاس پڑوس والے بھی چونک پڑیں ایسے ہی ایک موقع پر ہم نے بھی چونک کر دیکھا تو ڈانٹ پھٹکار سہنے والا صحافی ٹرسٹ کے ایک اخبار کا ملازم تھا اور اس کا قصور یہ تھا کہ ایک سچی خبر شائع کرنے کے لئے اپنے اخبار کو بھیج دی تھی۔

قوم کی رہنمائی کا دعویٰ اور ذہنی پسماندگی

مارشل لائی وزرا نمک حرام نہیں ہیں

اسلام اور جمہوریت کا ٹھیکیدار انہی کے پاس ہے

زیڈ - اے - کے افغانی

ملک کے تمام سرکاری اداروں میں جماعت اسلامی کا عمل دخل بڑھتا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۰ء کا سال اور ۵ جولائی ۷۷ء جماعت اسلامی کو راس آیا۔ وزارتوں کا حاصل ہونا، مخالف جماعتوں کو کچلنا، سرکاری اداروں میں من مانی کارروائیاں کرنا، قومی ذرائع ابلاغ عامہ کو اپنی جماعت کے پرچار کے لئے استعمال کرنا، "ناپسندیدہ افراد" کو بلیک لسٹ کرانا۔ (جوش جیسی عظیم شخصیت) غیر ملکی دوروں سے مستفید ہونا اور یہ سب کیوں نہ ہو، آخر سیاں بھئے کوتوال!

۱۹۷۰ء اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ "کافر اعظم" کو جماعت اسلامی کے پوپ نے قائد اعظم تسلیم کر لیا۔ (گو کہ یہ کھلی منافقت ہے) سال گذشتہ میں سیاسی رہنماؤں کے انٹرویو ز پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کئے جانے کا اہتمام کیا گیا۔ ہمیں بھی خوشی ہوئی کہ اس طرح سیاسی رہنماؤں کے ذہنی معیار اور ان کی شخصیتوں سے اچھی طرح واقف ہونے کا موقع ملے گا۔ اور ہوا بھی یہی۔ بڑے بڑے بت ٹیلی ویژن پر دیکھنے کو ملے۔ جنکو قوم کی رہنمائی کا دعویٰ ہے، ان کی ذہنی پسماندگی دیکھ کر شرم بھی آئی کہ کیا قوم کے رہنما ایسے ہوتے ہیں جن کو بات کرنے کی تمیز بھی نہیں۔ جو انٹرویو کے آداب سے بھی واقف نہیں۔ سوال مشرق کے بارے میں ہوا تو جواب مغرب کے بارے میں دیا گیا۔ بیچارے آثارِ قدیمہ۔

اِن انٹرویوز میں جھوٹ کے ریکارڈ قائم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ آخر کوئی ریکارڈ تو ہو۔ میاں طفیل نے تو یہاں تک ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ "جماعتِ اسلامی نے تو قیامِ پاکستان کے لئے مسلم لیگ سے تعاون کیا ہے اور جماعت کے پوپ نے جناح صاحب کی مدد فرمائی تھی۔ لہٰذا قیام پاکستان کے بعد جناح صاحب نے جماعت کے پوپ کو اسلام کی ترویج کے لئے ذمہ داری سونپی تھی"۔ کہئے کیا اب بھی گوئیبلز کو لاثانی جھوٹا کہا جائے گا؟ بہرحال ہمیں اس جھوٹ پر تعجب نہیں کیونکہ جھوٹ بولنا جماعت کے پوپ کے نزدیک ضرورت کے تحت جائز ہے اور نظریۂ ضرورت کے تحت کیا کچھ جائز نہیں؟

ایک اور جماعت کا نام ویسے تو خاکسار ہے، لیکن جماعت کے رہنما کا دماغ عرش پر ہے بیچارے نے نہایت خاکسارانہ لہجے میں انکشاف کیا کہ بیلچہ بردار گارڈز کی ضرورت اس لئے ہے کہ اسلام پھیلانے میں مددگار ہوگی۔ بیرونی و اندرونی دشمنوں سے مقابلہ کریگی"۔ اور ساتھ ہی دعویٰ کیا کہ پورے ملک میں خاکساروں کی تعداد بہت ہے۔ کہئے کیسی رہی ہم کرنا ہے جو کرلے!

کون کون سے انٹرویو کا ذکر کیا جائے! سب ہی اپنی مثال آپ تھے۔ نورانی میاں کی چونکہ نگاہیں مستقبل کی جانب ہیں اور "آئندہ" کا وعدہ ہے لہٰذا اپنی جمہوریت نوازی کا وعظ بیان کرنا ضروری تھا۔ کہا جا رہا ہے کہ وہ تو تیار ہی اس لئے کئے جا رہے ہیں کہ جب عوام ظلم و جبر، معاشی و سیاسی استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو اقتدار ان کو اور ان کی جیسی دوسری غیر وزارتی جماعتوں کو سونپا جائے۔ کیونکہ میدان کسی صورت بھی بائیں بازو والوں کے پاس نہیں جانا چاہیئے۔

ہمیں تو حیرت اِس بات پر بھی نہیں کہ ایک ہی جماعت کے دو لوتھ نما رہنما ٹیلی ویژن پر کیوں پیش کئے گئے۔ کیونکہ انٹرویوز کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اس لیے کہ قومی اتحاد ایک جماعت ہے۔ اِس بات کا یقین مفتی انگوٹھا، پروفیسر ایم (۱۹۷۵-۷۷ء) اور دوسرے آثارِ قدیمہ بھی دلاتے رہے ہیں۔ ہر جگہ دلیل دی جاتی ہے کہ قومی اتحاد ایک جماعت ہے۔ چونکہ انتخاب کے وقت انتخابی نشان بھی ایک تھا۔ وغیرہ"۔ مگر جب ٹیلی ویژن پر بوسیدہ مکھڑے دکھانے کا موقع ملے تو گنوایا کیوں جائے؟ اصول کیا ہوتے ہیں؟ نظریۂ ضرورت کے تحت سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تو پھر جماعت کی دو لوتھ ٹی وی پر دکھائی جائیں تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی! میاں طفیل کے بعد ایم کام پروفیسر نے تو اپنی قابلیت اور دانائی کا عظیم الشان مظاہرہ کیوں نہ کریں۔ حکومت اپنی ہے۔ جو چاہیں گے اور جب چاہیں گے ہے کوئی جو روکے؟ اور پھر ایم کام پروفیسر نے تو اپنے انٹرویو کے ذریعے انور خلیل پر اور قوم پر احسان کیا کہ مارشل لاء کے نافذ ہونے کا احساس دلایا۔ انور خلیل صاحب کو تو براہ راست یاد دلایا گیا کہ "مارشل لاء نافذ ہے"۔ انور خلیل صاحب کو ایم کام پروفیسر کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ مارشل لائی وزراء نمک حرام نہیں۔ حق نمک ادا کرنے میں پوری طرح مستعد ہیں۔ کل تک جو صاحب لانگ بوٹ، کو کھلے عام برا کہتے تھے اب نمک خوار ہوتے ہی تنبیہ کرتے پھر رہے ہیں کہ "مارشل لاء پوپلا نہیں۔ اس کے لوہے کے دانت ہیں"!

ڈبل بیرل خان بھی تشریف لائے۔ انٹرویو کیا تھا آئیں بائیں شائیں! اتیس سالہ سیاسی تجربہ کار سیاست داں اور انٹرویو ایسا جیسے کہ بچہ گھٹنوں چلنے کی کوشش کرے۔ نوکر شاہی (بیوروکریسی) کے بہت شاکی تھے جب کہ پوری زندگی "بیوراکسی" کا کردار ادا کرتے گزری ہے۔ صوبوں پر مساوی ذمہ داری ڈال کر خود الگ کھڑے ہو گئے۔ زمانوں کا وظیفہ جاری رہا۔ وزیر داخلہ کو (خود وزیر داخلہ تھے) ہر ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دیا۔ انور خلیل پر بری طرح گرجے کہ "آپ مجھے مجرم بنا رہے ہیں"۔ ہمیں خود پر ترس آ رہا ہے کہ ایسے بوسیدہ اور اپر چیمبر خالی رکھنے والے بھی ہمارے رہنما کہلاتے ہیں۔ یہ خود ساختہ رہنما نہ جانے کب تک مسلط رہیں گے!؟

سیاسی اِنٹرویوز کا سلسلہ جاری ہے۔ ویسے ہمیں امید ہے کہ قومی اتحاد کی جماعتوں (سابقہ اور موجودہ اتحادی) کے رہنماؤں کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اِن جماعتوں کے علاوہ ملک میں کوئی جماعت نہیں۔ اور نہ ہی کوئی رہنما۔ جب کہ اِن اتحادی جماعتوں (سابقہ اور موجودہ اتحادی) کی سڑاند سے پورے ملک میں بھبکے محسوس کئے جا رہے ہیں۔ مگر رٹ یہی ہے کہ اسلام کا اور جمہوریت کا ٹھیکیدار انہی کے پاس ہے اور یہی رہنما ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما کے انٹرویو کی ویسے بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ جماعت سرکار اور پوپ

کی نظر میں تخریب کار ہے۔ چیئرمین اندر ہے۔ قائم مقام چیئرمین کا مسئلہ ٹربیونل میں ہے۔ اب کس کا انٹرویو لیا جائے؟ رہا سوال بائیں بازو کی تنظیموں کا تو ان کی اہمیت ہی کیا ہے۔ پہلے ہی کہہ دیا گیا ہے کہ یہ تو چند فیصد ہیں۔ بہرحال عوام تو چند فیصد کو بھی سننا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں بائیں بازو کی اہمیت سے انکار کوئی سیاسی نابینا ہی کر سکتا ہے گو کہ ہم جانتے ہیں کہ بائیں بازو کے سیاسی رہنماؤں کے انٹرویو زپیش نہیں کئے جائیں گے۔ اس لئے کہ معراج محمد خان، ڈاکٹر اعزاز نظیر، میجر اسحاق افضل بنگش اور دوسری بائیں بازو کی تنظیموں کے رہنماؤں کے انٹرویوز کئے جائیں گے تو وہ سوالوں کے ایسے جوابات دیں گے جو نہ صرف رجعت پرست رہنماؤں کے خیالات اور ان کے مکروہ منصوبوں کے پرچے چاک کریں گے اور یقینی طور پر سارے رجعت پرست رہنما عوام کی نظروں میں مزید ننگے ہو جائیں علاوہ ازیں موجودہ حکومت کے بارے میں بھی عوام کو بائیں بازو کے رہنماؤں کی زبانی ایسی باتوں کا علم ہونے کے خدشات بھی ہیں جن کی پردہ پوشی جماعت اسلامی اور قومی اتحاد کی دیگر جماعتوں پر آج فرض ہے۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں رجعت پرست اور ان کی بیساکھیوں پر کھڑے ہوئے افراد کس طرح ٹی وی پر بائیں بازو کے رہنماؤں کو لائیں گے؟

●

جمہوری قوتیں

ایرانی عوام کی حمایت کریں

جوش پر پابندی آزادی فکر پر حملہ ہے

محمد اکبر
پریس سکریٹری۔ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا ایک اجلاس زیر صدارت مزدور رہنما جناب حکیم خان صاحب منعقد ہوا جس میں بڑی تعداد میں مزدور رہنماؤں اور کارکنوں کے علاوہ کراچی دیہی حقوق کمیٹی کے نمائندے اور انقلابی محاذ طلباء کے نمائندوں نے بطور مبصر کے شرکت کی۔ اجلاس میں لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کی دو فروری کو ہونے والی پہلی سندھ مزدور کانفرنس کے انتظامات کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے علاوہ مزدور مسائل اور ہاری طلباء دانشور اور اخباری کارکنوں کے مسائل کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں جن رہنماؤں نے اظہار خیال کیا ان میں جناب اقبال خان نیازی، نفیر محمد حمائتی، اکرم دھاریجہ، واحد خان نیازی، ایم اے خان، محمد لطیف خان لودھی، ملک محمد اکبر، اللہ ڈنو بلوچ، خان محمد بلوچ اور کراچی دیہی حقوق کمیٹی کے شاہ صاحب اور انقلابی محاذ طلباء کے رہنما شعیب صاحب نے بھی اظہار خیال کیا۔ ان رہنماؤں نے بڑھتی ہوئی مہنگائی بے روزگاری، چھانٹی، تالابندی اور سندھ میں تعلیمی اداروں کے غیر معینہ مدت تک بند ہونے پر تشویش کا اظہار کیا اور آخر میں اجلاس نے حسب ذیل قراردادیں منظور کیں۔

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا یہ اجلاس ایران میں ہونے والے ظلم کی مذمت کرتا ہے اور شہنشاہیت کے خلاف جمہوریت کی لڑائی میں دلیرانہ دار حصہ لینے، جانیں قربان کرنے پر ایرانی عوام کو خراج عقیدت پیش کرتا ہے اور پاکستان کی تمام جمہوریت قوتوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایرانی عوام کی جدوجہد میں ان کی حمایت کریں اور حکومت کو مجبور کریں کہ وہ بھی شاہ ایران کے مظالم کے خلاف آواز بلند کرے۔

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا موجودہ اجلاس جوش ملیح آبادی پر پابندی کو آزادی فکر کے حق پر پابندی تصور کرتا ہے۔ جوش صاحب ایک ایسی ادبی شخصیت ہیں جنہوں نے انگریز سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ میں عوام کے جذبات کی بھرپور انداز میں ترجمانی کی ہے۔ آج وہ لوگ برسر اقتدار ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی اور وہی محب وطن دانشوروں کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں ہم اس کو آزادی فکر پر ایک حملہ تصور کرتے ہیں۔

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا حالیہ اجلاس خواتین یونیورسٹی کے قیام کی مذمت کرتا ہے کیونکہ اس فیصلے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خواتین اور مردوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جائے اور عورتوں اور مردوں کے لئے ٹرانسپورٹ، سڑکیں، اسپتال، سرکاری و نیم سرکاری دفاتر بنک میں الگ الگ بنائے جائیں۔ یہ ایک مضحکہ خیز اور ناقابل عمل فیصلہ ہے کیونکہ دوسری جانب ملک میں موجودہ یونیورسٹیوں کے طلباء تعلیمی سہولتوں میں اضافے کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور کئی یونیورسٹیاں خسارے میں جا رہی ہیں چنانچہ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ حکومت اس اقدام کے نتیجوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس فیصلے کو منسوخ کرے اور یونیورسٹیوں میں تعلیمی سہولتوں کی کمی کو دور کرے اور اس کو مزید بہتر بنائے۔

موجودہ حکومت رفتہ رفتہ رہی سہی شہری آزادیوں کا بھی دم گھونٹتی جا رہی ہے۔ آزادی صحافت کی ضمانت کے لئے صحافیوں کی جدوجہد کے نتیجے میں ہونے والے سمجھوتے کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی کہ مختلف حیلوں بہانوں اور قوانین کا سہارا لے کر ایک بار پھر صحافیوں کے آزادانہ اظہار پر حملے کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ قلعہ لاہور جو کہ بدنام زمانہ اذیت رسانی کی جگہ ہے حسین نقی کو اس میں لے جانے کی دھمکی دی جا رہی ہے لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ سینئر صحافی حسین نقی کو غیر مشروط فوراً رہا کرے۔

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا یہ اجلاس سیفی کارپوریشن ای ایم آئی ملز، ورثی سیمنٹ فیکٹری لاڑکانہ، الائیڈ ملز کے مزدوروں کے مطالبات کی پرزور حمایت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مزدوروں کے مطالبات فوراً منظور کئے جائیں اور ان اداروں کے گرفتار شدہ مزدور رہا کئے جائیں۔

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا یہ اجلاس حکومت سے پرزور مطالبہ

شائع ہو گیا
خواتین کے لیے نیا ڈائجسٹ
چاہت
◎ عصمت چغتائی کا نیا ناولٹ۔ بدن کی خوشبو
◎ بانو قدسیہ، جیلانی بانو، رضیہ سجاد ظہیر، مقبول جہانگیر اور ضیا شاہد کے نئے افسانے
◎ محمود احمد مودی، طاہر اسدی، نورالعین قاضی، فرحت ریاض، گل رعنا اور نسیم اختر کی سچی کہانیاں
◎ راجہ مہدی علی خان کی مزاحیہ نظمیں
◎ ابن انشا کا پیارا پیارا سفرنامہ اور بہت کچھ
ایڈیٹر یاسمین شاہد | دو سو صفحات | قیمت چھ روپے
۳۱ ملتان روڈ۔ لاہور

کرتا ہے کہ کراچی کے واحد سندھی روزنامہ ہلال پاکستان کو بند ہونے سے بچایا جائے کیونکہ ہلال پاکستان بند ہونے سے کئی سو اخباری کارکن بے روزگار ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ اجلاس نے روزنامہ سن کے کارکنوں کے مطالبات کی حمایت کی اور مطالبہ کیا کہ روزنامہ سن اور ہلال پاکستان کے کارکنوں کے مسائل فوراً حل کئے جائیں۔

یہ اجلاس پاکستان اسٹیل ملز قاسم پورٹ اتھارٹی میں مقامی مزدوروں کو ملازمتوں میں نظر انداز کرنے پر تشویش کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مقامی سندھی مزدوروں کو قاسم پورٹ اسٹیل ملز میں بھرتی کیا جائے جو تعلیم مکمل کرنے کے بعد بے روزگار گھوم رہے ہیں۔

لیبر آرگنائزنگ کمیٹی کا یہ اجلاس ٹھٹھہ شوگر مل، چلیا ملز گھارو، دھابے جی ملز ایریا اور پاکستان اسٹیل ملز کے حق نواز، شپ یارڈ کے ملک خدا بخش اور لطیف لودھی سمیت تمام نکالے ہوئے مزدوروں کو بحال کیا جائے۔

یہ اجلاس مزدوروں کی چھانٹیوں اور تبادلوں پر تشویش کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مزدوروں کی چھانٹیاں اور تبادلے ختم کئے جائیں اور تمام نکالے ہوئے مزدوروں کو نوکریوں پر بحال کیا جائے اور ٹریڈ یونین سرگرمیاں پوری طرح بحال کی جائیں۔ حق ہڑتال، جلسہ، جلوس، میٹنگ اور تحریر و تقریر کی آزادی بحال کی جائے اور گرفتار شدہ مزدور راہنما ریاض حسین اور جام ساقی سمیت تمام گرفتار شدہ مزدور، ہاری، طالب علم، سیاسی کارکن رہا کئے جائیں اور ان پر قائم کئے گئے مقدمات واپس لئے جائیں۔

**

فیصل آباد

"شرفاء" نے امن کی گارنٹی دے رکھی ہے

پی پی پی کے قائدین ۱۰ ماہ سے "غائب" ہیں

سہیل کاشف

ایک زمانہ تھا جب فیصل آباد شہر میں پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی بھرمار ہوا کرتی تھی لیکن اب گذشتہ دس ماہ سے یہاں کارکن ہی کارکن ہیں۔ لیڈر کہیں ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ میاں اقبال کہاں ہوتے ہیں؟ نرگس نعیم کس دنیا میں رہتی ہیں؟ غازی عبدالرشید کہاں ہیں؟ شمیم خان کا تو پتہ چل ہی گیا ہے کہ وہ لندن میں رہتے ہیں۔ رانا سخاوت علی خان ضلعی صدر اور شہر کے سینئر نائب صدر چودھری محمد صدیق الفا اور جنرل سکریٹری راجہ غلام کبریا مشرف بہ مولوی پھنسی یعنی کوثر نیازی ہو چکے ہیں ضلعی جنرل سکریٹری چودھری لطیف رندھاوا ایم پی اے سنا ہے فیصل آباد میں اپنی کوٹھی میں ہوتے ہیں یا پیر آف سالاروالا کے دربار شریف میں گذشتہ اٹھارہ ماہ کے دوران ضلعی جنرل سکریٹری کو اتنی بھی توفیق نہیں ہو سکی کہ اخبارات میں ایک عدد بیان ہی داغ دیتے۔ بے چارے ضرورت سے زیادہ "شریف آدمی" ہیں۔ اقتدار کی سیاست کے مزے تو خوب لیتے رہے۔ ملک کرم داد پی سی ایس کے ذریعے سردار حیات محمد تمن کے سیاسی مرید بنے تھے چنانچہ سردار تمن کی طرح وہ پیپلز پارٹی میں ہیں بھی، نہیں بھی۔ لہٰذا ان دنوں فیصل آباد میں "شرفاء" نے امن و امان کی مکمل گارنٹی دے رکھی ہے لہٰذا امن و امان قائم رہے گا۔ البتہ پیپلز پارٹی کے غریب کارکن کہیں کوئی جلوہ دکھا دیں تو دکھا دیں یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے "فدوی حضرات" ان دنوں ارباب اختیار سے جا جا کر کہتے ہیں کہ ہم تو تعمیری سیاست پر یقین رکھتے ہیں لیکن ضلعی صدر غیاث الدین جانباز اور مزدور لیڈر امان اللہ خان اور اعظم بٹ کارکنوں کو بھڑکا رہے ہیں۔ ادھر "شرفاء" اپنی ہائی کمان سے لاہور جا کر مل آتے ہیں اور غیاث الدین جانباز کے خلاف رونا رو آتے ہیں۔

پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن بھی یہاں ہوا کرتی تھی لیکن اس کا وجود بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ اشرف ندیم لاہور جا کر اچھے نمبر بنوا آتا ہے۔ چیئرمین بھٹو کے خلاف ہائی کورٹ پنجاب میں درخواست دینے والے قتل کے مجرم رانا افتخار کا رشتہ دار رانا ذوالقرنین اشرف ندیم کے اخراجات برداشت کر کے اپنے آپ کو پیپلز پارٹی کا لیڈر سمجھتا ہے۔ حنیف رامے کی مساوات پارٹی نے بھی یہاں پیپلز پارٹی کے اندر اپنی جڑیں بنا رکھی ہیں۔ رانا ذوالقرنین اور اے بی اعوان اکثر و بیشتر حنیف رامے کے ساتھ ساتھ مولوی کوثر نیازی سے ملتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس وقت وہ فیصل آباد کے قائدین میں شمار ہوتے ہیں، بدر چودھری سابق ایم پی اے اور احمد سعید اعوان سابق ایم پی اے اس وقت جیل میں ہیں، کاش حکومت انہیں جلد رہا کر دے۔ شاید وہی کوئی رونق لگا دیں۔ بہر حال پیپلز پارٹی کی مقامی قیادت دس ماہ سے غائب ہے لیکن اس کے باوجود بیگم نصرت بھٹو کو اس "جیالی قیادت" پر فخر ہے۔ اعظم بٹ کو قائم مقام صدر نامزد کیا گیا تھا لیکن چونکہ ان کا تعلق مزدور طبقہ سے ہے لہٰذا پیپلز پارٹی کے "چودھریوں" کو بھلا کیوں کر ایک مخلص کارکن اور مزدور لیڈر کی قیادت گوارا ہو سکتی تھی لہٰذا ان کی چھٹی کر دی گئی۔

پورے ضلع فیصل آباد میں تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ متحرک ہے جہاں کے کارکن کسی عہدیدار کو نہیں ملتے اور اپنے اتحاد کی بنیاد پر جدوجہد کر رہے ہیں۔ امان اللہ خان کو پیپلز پارٹی پنجاب کے شعبہ امور محنت کا انچارج بنایا گیا ہے چنانچہ وہ ان دنوں فیصل آباد میں مزدوروں کو منظم کر رہے ہیں۔

فیصل آباد شہر میں اکرم چوہان، بابی رشید، مرزا ناظر، مہر رشید عاجز شہید کی بیوہ کارکنوں میں کام کر رہے ہیں یا بدر چودھری کے بھائی سرفراز اور تاج متحرک ہیں۔ لیڈر ٹائپ کارکنوں نے اپنے ذمے صرف دو کام لے رکھے ہیں۔ ایک تو لاہور جا کر جسٹس سجید، یاسین وٹو، اسلم گورداسپوری سے ملاقاتیں کرنا اور کارکنوں کو منظم کرنے والوں کے خلاف شور و غوغا کرنا اور دوسرا کام سرکاری افسران سے ملنا اور انہیں "اندر کی رپورٹیں" بہم پہنچانا اور اپنی وفاداری کا یقین دلانا۔ خدا خوش رکھے ان لیڈر حضرات کو جن کے سرکار دربار میں بھی نمبر بنتے ہیں اور پارٹی کے لیڈروں کے پاس بھی۔

**

بقیہ: **اجرت بورڈ**

خلاف، جاوید پریس یونین ان کے خلاف، مسن یونین ان کے خلاف، مشرق یونین ان کے خلاف، امن یونین ان کے خلاف صداقت یونین ان کے خلاف، معادات یونین ان کے خلاف، ہلال پاکستان ورکرز یونین ان کے خلاف۔ آخر کون ان کے ساتھ ہے؟

ہم حکومت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اپینک کے تقریباً پینتالیس رکن تنظیموں میں ریفرنڈم کرا کے دیکھ لیں کہ کتنی یونینیں اور کتنے اخباری کارکن ان نام نہاد نمائندوں کے ساتھ ہیں، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، آزمائش شرط ہے، ہمت ہو تو ووٹنگ کر لیجیئے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آپ کے ان چمچوں کی اخباری برادری میں کیا حیثیت ہے۔ لیکن بے شرمی اور ڈھٹائی کا کیا علاج۔ اجی حضرت آپ کے نسیم الحق عثمانی تو خوشنویسوں کے نمائندے بھی نہیں، انہوں نے کراچی کی خوشنویس یونین کے انتخابات گذشتہ چھ سال سے نہیں کرائے ہیں اور جو خوشنویسوں کا صحیح نمائندہ تھا یعنی حافظ

○ اردو میں پہلی مرتبہ
○ امریکی سامراج کیخلاف ویتنامی عوام کی عظیم جد و جہد کی داستان

ہوچی منھ اور ویتنامی انقلاب

ویتنام میں پاکستان کے پہلے سفیر جناب اشفاق احمد خان کے قلم سے
پیش لفظ: محمود شام
○ ولولہ انگیز مشاہدات ○ جرأت آموز واقعات
○ آزادی اور خودمختاری کیلئے قربانیوں کی لازوال روایت
قیمت ۲۵ روپے
اپنی کاپی آج ہی محفوظ کروالیں!
نیشنل فورم ... کراچی

نذیر صاحب جنہوں نے گذشتہ، جنوری کو لاہور کے عالمی صحافی خوشنویسوں کی یونین کے انتخابات میں کامیابی حاصل کی وہ حکومت کے نزدیک ان کے نمائندے نہیں ہیں۔

ہمیں اس پر قیام پاکستان سے پہلے ۱۹۴۵ء کا سال یاد آتا ہے۔ جب اقوام متحدہ کے قیام کے سلسلہ میں دنیا بھر کے ملکوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس سان فرانسسکو میں منعقد ہوا تھا۔ اس وقت ہندستان کی جانب سے انگریز آقاؤں نے اپنے دو حلقہ بگوشوں کو ہندستانی عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے نامزد کیا تھا۔ دونوں "سر" تھے یعنی سر فیروز خان نون اور مدلیر۔ اس صورت حال پر ایک پیراڈی موجودہ حکومت کے معتوب شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی نے ایک نظم کی شکل میں قلم بند کی تھی۔ اس میں انہوں نے کہا تھا کہ انسان کا نمائندہ بندر کو قرار دیا جا سکتا ہے اور گھوڑے کا نمائندہ خچر کو گردانا جا سکتا ہے تو پھر میں چھاتی ٹھونک کر یہ کہوں گا کہ "بھارت کے نمائندے ہیں سر نون و مدلیر"۔

ہمارا ابھی یہی خیال ہے کہ جوش کے مذکورہ تقابل کے پیش نظر تو رشید چودھری، رشید صدیقی، نسیم الحق عثمانی اور اقبال مرزا کو اخباری کارکنوں کا نمائندہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ قربان جایئے اس نمائندگی کے تصور کے۔ لیکن قبلہ یہ دھاندلی زیادہ دنوں نہیں چلے گی۔ اس ملک کے ہزاروں باشعور اخباری کارکن اس جعل سازی کو برداشت نہیں کریں گے۔ اس نوعیت کا مالکوں اور ان کے نمائندوں کا بورڈ نہیں چلے گا۔ اس کے سکریٹری مقبول شریف تو ۱۹۷۴ء والے اجرت بورڈ میں حکومت کے ویج ایڈوائزر سے مل کر کارکنوں کی تنخواہیں کم کرانے کی فکر میں تھے۔ وہ تو چور پکڑا گیا۔ اخباری کارکنوں کے نمائندوں نے گرفت کر لی اور ویج ایڈوائزر کو اپنی پہلی ہی رپورٹ بدلنی پڑی جس کی مقبول شریف تعریف کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے۔ ہم نے ایک دوست سے پوچھا کہ بھئی کیا اس سے زیادہ ڈھٹائی ممکن ہے۔ کہنے لگے۔ محمود اعظم فاروقی اور ان جیسے دوسرے سویلین وزیر جلد ہی برطرف کئے جانے والے ہیں۔ انہوں نے سوچا چلتے چلتے ایک اجرت بورڈ ہی بناتے جائیں۔ دراصل یہ اجرت بورڈ عجلت بورڈ ہے، بدحواسی کا نتیجہ ہے اور بدنیتی کا بھی۔ بدحواسی اور بدنیتی کا انجام ظاہر ہے۔ جو حکومت اخباری کارکنوں کو قید بامشقت، جرمانوں اور کوڑوں کی سزائیں دیتی ہے جو اخبارات کو بند کرتی ہے، ان پر سنسر لگاتی ہے، ان سے لاکھوں روپے کی ضمانتیں طلب کرتی ہے، وہ عجلت بورڈ نہ بنائے تو کیا کرے

جسٹس کیانی نے کہا تھا کہ پچھلی حکومتوں نے سبز باغ دکھائے تھے ایوب حکومت نے ہمیں کالا باغ دکھایا۔ اسی نہج پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پچھلی حکومت نے صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے اجرت بورڈ بنائے تھے، موجودہ حکومت نے ان کے لئے عسرت بورڈ بنائے ہیں، پہلے اخباری کارکنوں کی نمائندگی ان کے اصل نمائندے کرتے تھے، اب باجوے اور کوثر نیازی کرتے ہیں ۔۔ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔

بقیہ: **بیگم نصرت بھٹو**

کے مطابق یا پرانی عادت کے تحت گنا، کپاس یا چاول پیدا کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔

اس لئے فوڈ پروسیسنگ ملز کو ختم کرنا تو ڈیرہ کے عوام اور یقیناً تمام پسماندہ علاقوں کے خلاف انتقامی اقدام ہوگا۔

مسٹر غفور احمد اس بات سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ کتنے ایسے صنعتی ادارے ہیں جنہیں نام نہاد "غلط محل وقوع" کی بنا پر "غیر معیشی" تصور کیا گیا ہے لیکن اس کا مقصد انہیں ختم کرنا نہیں تھا بلکہ انہیں مسٹر گوہر ایوب کے سسر جنرل حبیب اللہ کے ہاتھ "فروخت" کرنے کا بہانہ تھا۔

مسٹر غفور احمد کے "پیداواریت" اور "منافع بخشی" کے نرالے معیار کے مطابق بلوچستان، قبائلی علاقوں، سوات اور دوسرے علاقوں کے تمام صنعتی ادارے ختم کر دیتے جائیں گے۔ پسماندہ علاقے کس طرح ترقی کریں گے؟ ملک کو یکساں طور پر کس طرح صنعتی بنایا جائے گا؟

صدیوں سے پسماندہ اور جبر زدہ علاقے سڑکوں اور بجلی سے اور پچھلے ۲۰ سال سے قدرتی گیس سے محروم رہے ہیں۔ کیونکہ ان علاقوں میں صنعتیں نہیں ہیں۔ مسٹر غفور احمد یہ دلیل دیتے ہیں کہ جہاں سڑکیں نہ ہوں، بجلی نہ ہو، "ابتدائی ڈھانچہ" نہ ہو۔ ان علاقوں میں صنعتیں قائم کرنا مشکل ہوگا۔

عوامی حکومت کا معیار دوسرا تھا۔ ایک منصفانہ معیار جس کا مقصد استحصال کا خاتمہ تھا۔ جہاں سڑکیں نہیں تھیں، بجلی یا "ابتدائی ڈھانچہ" نہیں تھا عوامی حکومت نے یہ چیزیں بنائیں تاکہ یکساں طور پر ترقی ہو۔ نہ اس طرح کہ "آگے بڑھے ہوتے علاقے" پسماندہ علاقوں کا استحصال کرتے رہیں۔

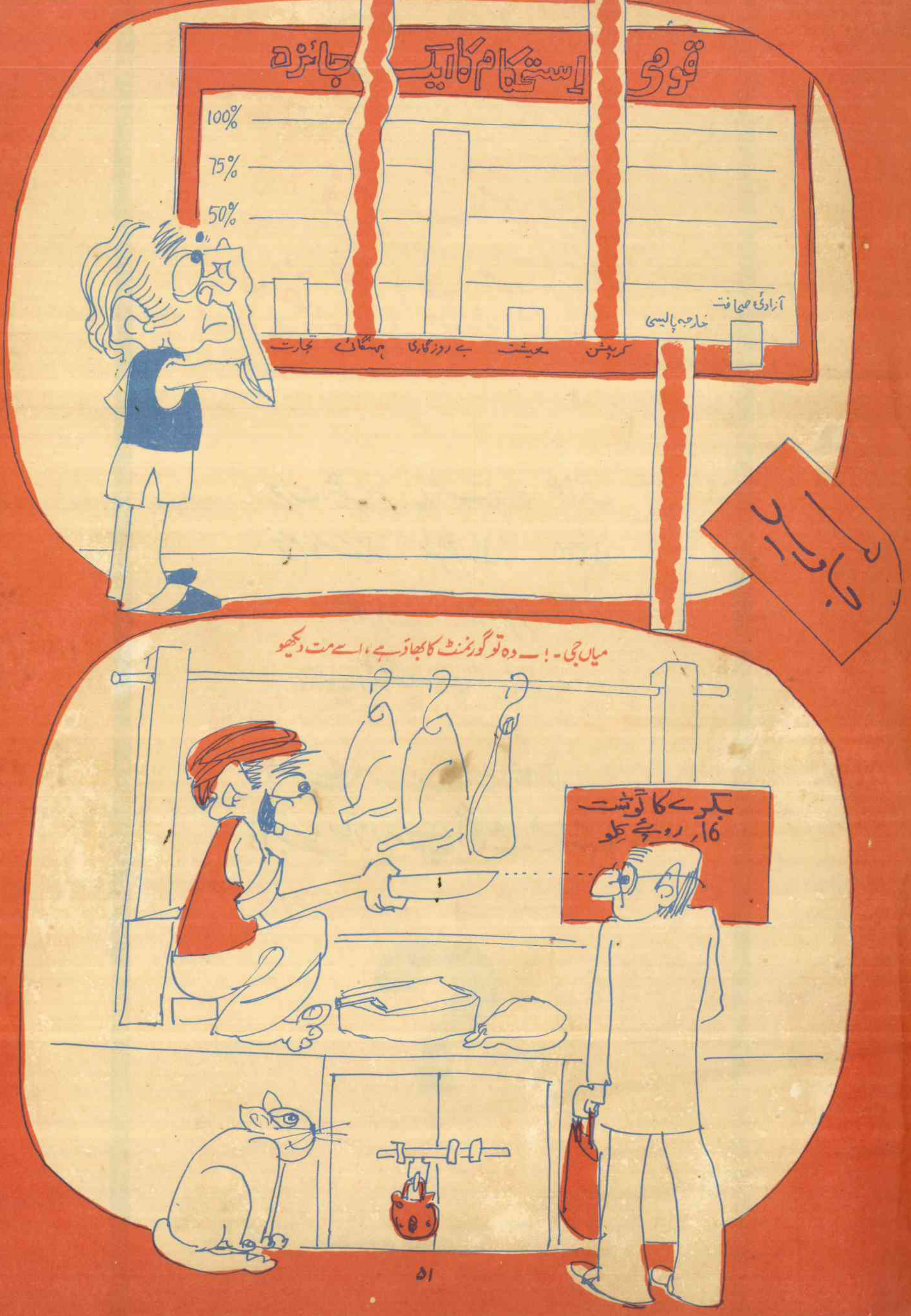
قومی استحکام کا ایک جائزہ
100%
75%
50%
آزادیٔ صحافت
خارجہ پالیسی
کرپشن
معیشت
بے روزگاری
مہنگائی
تجارت
میاں جی۔ ! ۔ وہ تو گورنمنٹ کا بھاؤ ہے، اسے مت دیکھو
بکرے کا گوشت
16/ روپے کلو

دُنیا کے مشہور
مصنّفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز ⁂ پُراسرار ⁂ خوفناک
جُرم و سزا ⁂ سُراغرسانی ⁂ مہم جُوئی
شکاریات ⁂ طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناول کی تلخیص
نفسیاتی اور جنسی الجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے
برصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب
ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ

خوبصورت گیٹ آپ کے ساتھ

عنقریب شائع ہو رہا ہے

مَاروی مطبُوعات ○ کراچی ۲۹